حضرت مفتی محمد صادق صاحب

کی

آپ بیتی

نام کتاب .... لطائف صادق

ناشر .... جمال الدین انجم

ادارہ .... احمد اکیڈمی ربوہ، حیات مارکیٹ گولبازار ربوہ

کمپوزنگ۔ شیخ وحید احمد ITECH PROFESSIONALS RABWAH

مطبوعہ .... لاہور آرٹ پریس 15 انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

حضرت مفتی محمدؐ صادق صاحب کے وجودِ محترم کو جماعتِ احمدیہ میں جو پوزیشن حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوّلین صحابہ میں سے ہیں۔ اور آپ نے مسیح پاکؑ کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں اور حضور علیہ السلام آپ کو نہایت ہی عزیز رکھتے تھے۔ مفتی صاحب کے متعلق حضرت اقدس کی کیا رائے تھی؟ اس کے معلوم کرنے کے لیے حضور کے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھیں جو حضور کے قلم سے ۱۶ اپریل ۱۹۰۵ء کے ''البدر'' میں شائع ہوئے ہیں

''ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن، جوان صالح اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی''۔

حضرت اقدس کے وصال کے بعد حضرت خلیفۂ اوّلؓ آپ سے نہایت ہی شفقت اور محبت سے پیش آتے رہے۔ آپ ان کے شاگرد بھی تھے۔ اور رشتہ دار بھی۔ خلافت اولیٰ میں حضرت مفتی صاحب نے تمام ہندوستان کا دورہ فرما کر ہر جگہ پیغام حق پہنچایا، اور نہایت دل نشین تقریروں کے ساتھ ہندوستان کی ہر قوم کو احمدیت کی دعوت دی۔

جب یہ دور بھی گذر گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا زمانہ آیا تو اس میں بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمات اسلام نہایت نمایاں نظر آتی ہیں۔ یہی وقت تھا جب آپ نے ایک فتح نصیب جنرل کی طرح نہایت کامیابی کے ساتھ انگلستان اور امریکہ میں تبلیغ کی اور

سات سال تک اس مقدس کام میں مصروف رہنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے اوراس کے بعد سلسلہ کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوکر شاندار خدمات انجام دیں۔ مختصر یہ کہ حضرت مفتی صاحب کی تمام زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء کی خدمت اور احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ میں گذری اور آپ نے ہر موقع پر بڑی تندہی خوش اسلوبی اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے۔ الحمدللہ اس تمام طویل زمانہ میں

(۱) جو لطائف مسیح پاک نے مفتی صاحب کے سامنے بیان فرمائے یا جو دلچسپ واقعات اس مبارک زمانہ میں مفتی صاحب کے ساتھ پیش آئے۔

(۲) حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو لطائف آپ سے بیان کئے یا اس وقت جو مزیدار واقعات مفتی صاحب کو پیش آئے یا مختلف لوگوں سے جو آپکے دلچسپ مباحثے ہوئے۔

(۳) حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دور خلافت میں آپ نے ہندوستان، انگلستان اور امریکہ میں ہندوؤں، دہریوں، عیسائیوں اور یہودیوں سے بعض بہت ہی دلچسپ اور پرلطف مباحثے کیے یا بعض نہایت پرکیف لطائف آپ کے سامنے پیش آئے۔

یہ کتاب ان سب کا مجموعہ ہے۔ مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ مفتی صاحب کی ''تبلیغی سوانح عمری'' ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے یہ کتاب اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس وقت تک اس قسم کی کوئی تصنیف دیکھنے میں نہیں آئی جو کسی مبلغ اسلام کے تمام عمر کے تجربات۔ واقعات۔ اور مناظرات کا اتنا دلچسپ۔ اس قدر پرلطف اور ایسا مزیدار مجموعہ ہو۔

اس کتاب کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جہاں یہ احمدیوں کے لئے بے حد دلچسپ ہے۔ وہاں ہر فرقہ کے مسلمانوں میں سے تبلیغی اور مذہبی ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے بھی نہایت مفید ثابت ہوگی۔

آخر میں ناظرین کو یہ بتادینا ضروری ہے کہ میں نے اس کتاب میں واقعات کو زمانی ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان نہیں کیا اور نہ چنداں اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ مقصود صرف واقعات کو جمع کردینا تھا نہ کہ تاریخ لکھنا۔

میں اس عاجزانہ دعا کے ساتھ ان سطور کو ختم کرتا ہوں کہ یا اللہ! اپنے فضل سے اس کتاب کو مقبول بنا۔ اور اس سے زیادہ سے زیادہ احباب کو مستفید اور فیضیاب کر۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

۱۹۴۶ء الصفہ قادیان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱۔ چائے کی پیالی اور دس درخواستیں

ایک دن حضرت مفتی صاحب نے مجھے اپنے بچپن کا ایک بہت مزیدار لطیفہ سنایا۔ جو میں انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کرتا ہوں مفتی صاحب نے فرمایا:۔

"جب میں چھوٹا بچہ تھا چودہ پندرہ برس کا ہوں گا تو مجھے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کے لئے حضرت خلیفہ اول مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس جموں بھیج دیا گیا۔ جو وہاں ان دنوں مہاراجہ کشمیر کے طبیب خاص تھے۔ حضرت حکیم صاحب نہایت فیاض۔ دریادل ہمدرد اور ملنسار بزرگ تھے۔ اور روزانہ ہی ان کے ہاں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ کوئی تو کچھ پڑھنے یا سیکھنے کے لئے آتا تھا۔ کوئی طب حاصل کرنے کے لئے کوئی کسی سفارش اور نوکری کے لئے اور کوئی صحبت سے مستفید ہونیکے لئے اور یہ سب حضرت حکیم صاحب کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے۔ اس لئے آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ایک روز کسی مقامی رئیس نے حضرت حکیم صاحب کی دعوت کی۔ جب کبھی آپ کسی کے ہاں دعوت میں جاتے تھے تو وہ لوگ بھی ساتھ ہوتے تھے جو کسی نہ کسی غرض سے آپ کے ہاں مقیم ہوتے تھے۔ چنانچہ اس روز بھی آٹھ دس آدمی تھے جب حضرت حکیم صاحب چلنے لگے تو دوسرے آدمیوں کے ساتھ مجھے بھی آپ نے ہمراہ لے لیا۔ حضرت حکیم صاحب مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے بیٹوں کی طرح رکھتے تھے۔ انکے میرے ساتھ طرزِ عمل سے عام لوگ یہی سمجھتے تھے کہ میں ان کا بیٹا ہوں۔ خیر ہم سب دعوت میں پہنچے۔ رئیس صاحب نے معززین شہر کو بھی بلا رکھا تھا اور کھانے کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد حسب دستور سب کے سامنے چائے آئی۔ میرے آگے بھی ایک پیالی رکھی گئی۔ میں حضرت حکیم صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر منہ سے لگائی اور ایک گھونٹ لیا تو معلوم ہوا کہ چائے نمکین ہے۔ اس سے پہلے مجھے نمکین چائے پینے کا نہ کبھی اتفاق ہوا تھا نہ میرے وہم میں کبھی یہ بات آئی تھی

کہ چائے نمکین بھی ہوتی ہے اور نہ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ کشمیری کبھی میٹھی چائے نہیں پیتے۔ بلکہ وہ ہمیشہ نمکین چائے استعمال کرتے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ چائے نمکین ہے تو ناواقفیت کی وجہ سے مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے خیال کیا کہ یہ میرے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔

میں نے چائے کی پیالی فرش پر رکھدی اور غصہ میں بھر کر بیٹھ گیا۔ حضرت حکیم صاحب فوراً تاڑ گئے کہ کیا قصہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "لو میاں مفتی صاحب! یہ میری پیالی پی لو" یہ کہہ کر آپ نے اپنی پیالی میری طرف سرکا دی۔ میں نے وہ پیالی ہاتھ میں لی ہی تھی کہ حضرت حکیم صاحب نے میرے والی پیالی اٹھائی اور اسے پینا چاہا۔ فوراً میں نے بڑے غصہ سے یہ بات کہی کہ "حضرت اسے نہ پیجئے گا۔ اس میں کسی نے نمک ڈال دیا ہے" میرے اس کہنے پر محفل میں بڑے زور کا قہقہہ پڑا اور سب لوگ بے تحاشا ہنسنے لگے۔

میں بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں۔ اب حضرت حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا کہ "میاں یہاں تو نمک ساری پیالیوں میں پڑا ہوا ہے۔" اس دن پہلی مرتبہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ کشمیری نمکین چائے پینے کے عادی ہیں۔ اور یہ معلوم ہونے پر مجھے اپنے فقرے پر بڑی شرم آئی۔ مگر اب تو میں کہہ چکا تھا۔

حضرت حکیم صاحب کا ذکر آ گیا ہے تو بر سبیل تذکرہ اس زمانہ کا حضرت حکیم صاحب کا ایک نہایت دلچسپ اور سبق آموز واقعہ بھی بیان کردوں جو لطیفہ کا لطیفہ ہے اور نصیحت کی نصیحت۔

حضرت حکیم صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو لوگ آپ کے پاس سفارش کے لئے آیا کرتے تھے آپ بالعموم انکی سفارش کرتے تھے اور ان کو ٹالتے نہیں تھے۔ لیکن آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر شخص کی اتنی ہی سفارش فرماتے تھے جتنی کا وہ شخص درحقیقت مستحق ہوتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس قسم کی دس درخواستیں آپ کے پاس سفارش کے لئے مختلف لوگوں کی جمع ہوگئیں۔ ان دنوں مہاراجہ کے بھائی راجہ امر سنگھ تمام ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک اور وزیر اعظم تھے۔ اور حضرت حکیم صاحب کا بے حد ادب اور لحاظ کرتے تھے۔ حضرت حکیم

صاحب ان کے پاس دسوں درخواستیں سفارش کے لئے لے کر گئے۔ جب پہلی درخواست پیش کی اور اسکی سفارش چاہی تو راجہ کہنے لگا کہ اس آدمی کیلئے تو ریاست میں کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ حضرت حکیم صاحب نے فوراً وہ درخواست الگ رکھدی اور دوسری درخواست پیش کردی۔ راجہ نے کہا یہ شخص اس کام کے لئے موزوں نہیں ہے۔ حضرت حکیم صاحب نے بغیر کسی رنجیدگی کے تیسری درخواست راجہ کے سامنے رکھدی راجہ نے کہا کہ اس جگہ تو ہم ایک آدمی کا تقرر کر چکے ہیں۔ حکیم صاحب نے چوتھی درخواست پیش کردی۔ راجہ نے اس پر بھی کوئی عذر کردیا۔ اور حکیم صاحب نے بڑی متانت اور نہایت تحمل کے ساتھ پانچویں درخواست پیش کردی غرض اسی طرح حکیم صاحب درخواستیں پیش کرتے رہے اور راجہ مسترد کرتا رہا۔ جب اس نے آٹھویں درخواست بھی مسترد کردی اور حکیم صاحب نے نویں درخواست نکالی تو راجہ نے کہا۔ ’’حکیم صاحب آپ آٹھ درخواستیں پیش کر چکے ہیں اور میں انکو مسترد کر چکا ہوں۔ اگر یہ نویں درخواست بھی نامنظور کردوں تو آپ کیا کریں گے؟‘‘ حضرت حکیم صاحب نے بڑی ہی متانت سے جواب دیا کہ ’’پھر میں دسویں درخواست پیش کروں گا۔‘‘ راجہ اس بے ساختہ جواب پر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ اچھا حکیم صاحب اس کی وجہ بتایئے کہ باوجود اس قدر نازک مزاج اور خوددار ہونے کے پے در پے میری درخواستوں کے نامنظور کرنے پر آپ کو غصہ کیوں نہیں آیا؟‘‘۔ حکیم صاحب نے نہایت حکیمانہ انداز میں فرمایا ’’اس لیے کہ میں نے خیال کیا کہ اگر پہلے شخص کا کام نہیں بن سکا تو شاید دوسرے کا بن جائے۔ اگر دوسرے کا نہیں بن سکا تو شاید تیسرے کا بن جائے۔ اور اسی طرح آخر تک خیال کرتا گیا کہ شاید دسویں آدمی کا کام بن جائے۔ میں نے سوچا کہ مری خودداری اور وقار کو صدمہ پہنچنے سے اگر کسی حاجتمند کا کام بنتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں خاموش رہا۔‘‘

حضرت حکیم صاحب کی اس تقریر سے راجہ نہایت متاثر ہوا اور اس نے دسوں کی دسوں درخواستیں منظور کرلیں۔

۲۔ صوفی ترقی کر کے کیا بنتا ہے؟

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب نے ۶ مئی ۱۹۰۹ء کے بدر میں ایک لطیفہ شائع کیا۔ حضرت خلیفۂ اوّلؓ کی سر سید سے خط و کتابت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے اُن کو خط لکھا کہ ’’جاہل علم پڑھ کر عالم بنتا ہے۔ اور عالم ترقی کر کے حکیم ہو جاتا ہے۔ حکیم ترقی کرتے کرتے صوفی بن جاتا ہے۔ مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو کیا بنتا ہے؟

اس کا جواب سر سید نے یہ دیا کہ ’’وہ نورالدین بنتا ہے۔‘‘

۳۔ کڑوی دوائی کا خوف

ایک دفعہ حضرت اقدس کی زندگی میں مفتی صاحب کے ساتھ بڑا مزے کا لطیفہ ہوا۔ مفتی صاحب لاہور سے آئے تو حضور نے اپنے پاس ہی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں مفتی صاحب کو ٹھہرایا۔ اور بڑی محبت کے ساتھ ان کی خاطر تواضع کی۔

ان دنوں اتفاقاً قادیان میں خارش کی کچھ شکایت تھی۔ حضور نے ایک دوائی مصفیٔ خون تیار کی اور باہر آ کر اس کا ذکر فرمایا۔ حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ ہر بات میں حضرت صاحب کے ساتھ شریک ہو جایا کرتے تھے۔ سنتے ہی کہنے لگے

’’حضور مجھے بھی خارش کی شکایت ہے۔ تھوڑی دوائی میں بھی پیوں گا۔‘‘

حضرت اقدس نے فرمایا ’’اچھا‘‘

اب اتفاق سنیے کہ مفتی صاحب کے سینے میں بھی کچھ خارش معلوم ہوتی تھی انہوں نے بھی حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور کچھ خفیف خارش کی شکایت مجھے بھی ہے۔ ’’مگر یہ نہ کہا کہ ’’دوائی پیوں گا۔‘‘ بلکہ یہ عرض کیا کہ ’’حضور دعا فرمائیں کہ اللہ اس تکلیف سے نجات دے۔‘‘

تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے گھر میں سے ایک پیالہ بھرا ہوا دوائی کا مولوی

عبدالکریم صاحب کو بھیجا۔ جب وہ پینے لگے تو معلوم ہوا کہ یہ تو سخت کڑوی دوائی ہے۔ مولوی صاحب کڑوی دوا سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ اور کبھی نہ پیتے تھے۔ بڑے گھبرائے۔ حلق تک سب کڑوا ہو گیا۔ انہوں نے فوراً وہ پیالہ اس آدمی کے ہاتھ پر رکھا جو لایا تھا۔ اور فرمانے لگے ''لے جا بھائی۔ میں باز آیا ایسی دوائی سے۔ حضرت صاحب سے کہو کہ مجھے کڑوی دوائی ہرگز نہیں چاہیے''۔

اب سنیئے آگے کی کہانی۔ اس بات کو ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ حضرت اقدس اس کمرہ میں تشریف لائے جہاں مفتی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیالہ بھرا ہوا تھا۔ اور آتے ہی فرمانے لگے ''لو مفتی صاحب یہ آپ کے لئے ہے۔''

مفتی صاحب مولوی عبدالکریم کا واقعہ دیکھ چکے تھے۔ بڑے گھبرائے کہ یہ تلخ پیالہ مجھے بھی پینا پڑے گا۔ (مفتی صاحب بھی کڑوی دوائی نہیں پیتے) خیر پیالہ تو مفتی صاحب نے حضرت اقدس کے ہاتھ میں سے لے لیا مگر اس فکر میں ہوئے کہ حضور اندر تشریف لے جائیں تو دوائی کو ادھر اُدھر کردوں۔

اتنے میں حضرت اقدس فرمانے لگے ''مفتی صاحب! آپ یہ پی لیں تو میں خالی پیالہ گھر لے جاؤں''۔

اب تو مفتی صاحب کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ بغیر اس تلخ پیالہ کے پیئے نجات ممکن نہیں۔ نہ انکار کئے بن پڑتی ہے نہ پیالہ پینے ہی کی ہمت ہے۔ ناچار مفتی صاحب نے آنکھیں بند کرلیں اور نہایت ہی مجبوری کے ساتھ پیالہ منہ سے لگالیا۔ اور نہایت جلدی جلدی پینا شروع کیا۔ جب آدھے سے زیادہ پی چکے تو معلوم ہوا کہ یہ تلخ پیالہ نہیں بلکہ میٹھا ہے۔ اس پر مفتی صاحب کو اتنی خوشی ہوئی کہ بے ساختہ پکار اٹھے ''حضور یہ تو میٹھا ہے''۔

اس پر حضور بہت ہنسے اور فرمایا کہ ''یہ خارش کی دوائی نہیں۔ چونکہ آپ دماغی محنت کرتے ہیں اس لیے میں نے آپ کے لئے یہ شیرۂ بادام بنایا ہے۔''

۴۔ بہت ضروری بات

جلسہ سالانہ ۱۹۲۵ء کے موقع پر ''ذکر حبیب'' کا بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے مندرجہ ذیل مزیدار لطیفہ سنایا:۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک انگریز قادیان میں آیا۔ گھوڑے پر سوار تھا اور آکر کہنے لگا کہ میں گورداسپور کا سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں۔ اور مجھے مرزا صاحب سے بہت ضروری ملنا ہے۔ خیر ہم نے ایک چبوترے پر دو کرسیاں بچھادیں۔ اور اس سے کہا۔ تشریف رکھیے۔ اور پھر حضرت صاحب کو خبر دی۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اب اس انگریز نے کہا کہ ''مجھے آپ سے ایک بہت ہی ضروری بات پوچھنی ہے''۔ حضرت اقدس نے فرمایا ''پوچھیے۔'' اس پر اس انگریز نے جیب میں سے اپنی نوٹ بک نکالی۔ اور کہنے لگا ''بہت ہی ضروری بات ہے۔ ابھی بتلاتا ہوں'' یہ کہہ کر نوٹ بک کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ورق گردانی کرتا رہا اور کہتا رہا۔ بہت ہی ضروری بات ہے۔ بیحد ضروری ہے محض اس بات کے پوچھنے کے لیے میں آیا ہوں۔ حضرت اقدس نے متبسم ہوکر فرمایا ہاں تو پھر پوچھیے۔ میں تو آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ ساری نوٹ بک کی اس نے ورق گردانی کر لی'' اور یہی کہتا رہا بہت ہی ضروری بات ہے جب اسے وہ بات نہ ملی تو پھر دوبارہ ورق گردانی شروع کی۔ مگر بے سود۔ لیکن بار بار یہ بھی ضرور کہہ رہا تھا کہ بہت ہی ضروری بات ہے۔ جب تلاش کرتے کرتے تھک گیا تو کہنے لگا کہ بات تو بہت ضروری تھی۔ مگر ملتی ہی نہیں۔ اچھا مرزا صاحب اب ہم جاتا ہے۔ سلام۔

یہ کہا۔ ہیٹ سر پر رکھی۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ اور پھر کبھی نہیں آیا۔

۵۔ حضرت مسیح موعود کا سب سے پیارا مرید

حضرت مفتی صاحب نے حسب ذیل بہت ہی عجیب لطیفہ جلسہ سالانہ ۱۹۲۵ء کے موقعہ پر سنایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک مرتبہ حضرت صاحب کے گھر میں مستورات کے درمیان اس امر پر گفتگو ہونے لگی کہ حضرت اقدس کو اپنے مریدوں میں سب سے پیارا کون ہے؟ کسی عورت نے کسی کا نام لیا اور کسی نے کسی کا۔ کسی ایک شخص پر سب عورتوں کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ میرے خیال میں حضرت صاحب کو سب سے پیارے مولوی نور الدین ہیں۔ اور اس کا امتحان بھی میں تم سب عورتوں کو ابھی کرائے دیتی ہوں۔

اس وقت حضرت صاحب علیحدہ کمرے میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے حضرت ام المومنین عورتوں کے مجمع میں سے اٹھیں اور کہنے لگیں کہ حضرت صاحب کے پاس جا کر یہ بات ایک ترکیب سے پوچھتی ہوں تم باہر کھڑی ہو کر سنتی رہنا تمھیں پتہ لگ جائے گا کہ حضرت صاحب کو سب سے زیادہ پیارا کون سا مرید ہے؟

عورتوں سے یہ کہہ کر حضرت اُم المومنین حضور اقدس کے پاس کمرہ میں تشریف لے گئیں اور حضور کو مخاطب کر کے فرمانے لگیں کہ ’’آپ کے جو سب سے زیادہ پیارے مرید ہیں وہ‘‘ اتنا فقرہ کہہ کر حضرت ام المومنین چپ ہو گئیں۔ اس پر حضرت اقدس نے نہایت گھبرا کر پوچھا ’’مولوی نور الدین کو کیا ہوا جلدی بتاؤ۔‘‘ اس پر حضرت ام المومنین ہنسنے لگیں۔ اور فرمایا ’’آپ گھبرائیں نہیں۔ مولوی نور الدین صاحب اچھی طرح ہیں۔ میں تو آپ کے منہ سے یہ بات کہلوانا چاہتی تھی کہ آپ کے سب سے پیارے مرید کونسے ہیں۔ چنانچہ آپ نے وہ بات کہہ دی۔ اب میں جاتی ہوں۔ آپ اپنا کام کریں۔‘‘

۶۔ ’’میں بھی خوشخط لکھ سکتا ہوں‘‘

حضرت مفتی صاحب نے حضرت اقدس کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت مولوی شیر علی صاحب کے قلم سے بطور گواہ لکھوا کر ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے الفضل میں شائع کرایا ہے۔ جسے ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

جن دنوں مارٹن کلارک والا مقدمہ تھا ان ایام میں حضرت مسیح موعود نے ایک مضمون

بطور جواب دعویٰ خود تحریر فرمایا۔ اس مضمون کو خوش خط لکھوا کر حضور کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا۔ حضور نے پڑھا تو اس میں ایک جگہ ل لکھنے سے رہ گیا تھا۔ حضور قلم لے کر ل بنانے لگے تو مرزا ایوب بیگ مرحوم نے عرض کیا ’’حضور ذرا ٹھہریں اس ل کو بھی خوش خط لکھوا لیا جائے گا‘‘۔

چونکہ حضور کی تحریر عام طور پر شکستہ تھی اس لیے مرزا ایوب بیگ صاحب نے سمجھا کہ حضور ل بھی شکستہ ہی لکھیں گے۔

مرزا ایوب بیگ صاحب کا مطلب حضور سمجھ گئے۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا ’’میں بھی خوش خط لکھ سکتا ہوں‘‘ یہ کہہ کر آپ نے اس جگہ ل لکھ دیا جو نہایت خوبصورت تھا۔

۷۔ ایک عجیب اور دلچسپ پادری

۱۹۱۷ء میں جبکہ حضرت مفتی صاحب اور قاضی عبداللہ صاحب لندن میں تبلیغ اسلام کر رہے تھے تو ایک روز ریلوے سٹیشن پر ان دونوں صاحبان کو ایک بہت ہی عجیب اور دلچسپ پادری صاحب سے واسطہ پڑا۔ جو پُر لطف گفتگو پادری صاحب کی مفتی صاحب اور قاضی صاحب سے ہوئی وہ سننے کے قابل ہے۔

پادری صاحب:۔ (حضرت مفتی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) آپ کا نام کیا ہے؟

صادق۔ میرا نام محمد صادق ہے۔

پادری صاحب او محمدؐ۔ محمدؐ صادق۔ محمدؐ آپ محمدؐ کو مانتے ہیں؟ نجات تو یسوع مسیح کو ماننے میں ہے جو پھانسی پا گیا۔

صادق۔ جب وہ خود ہی پھانسی پا گیا تو کسی اور کو کیا نجات دلائے گا۔ خود ڈوبنے والا دوسروں کو کیا بچائے گا۔ محمدؐ خود بھی پار گیا اوروں کو بھی ساتھ لے گیا۔

پادری صاحب۔ مگر یسوع نے اپنے لیے ایسا چاہا کہ پھانسی ملے۔

صادق۔ جس کی نیت اپنے ہی لیے ایسی تھی وہ کسی اور کا کیا بھلا کرے گا محمدؐ نے اپنا اور

سب کا بھلا کیا۔

اس پر پادری صاحب نے جو حضرت مفتی صاحب کے برجستہ جواب سے بہت بوکھلا گئے تھے۔ مفتی صاحب کو چھوڑ کر قاضی صاحب کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے" آپ کا کیا نام ہے؟"

قاضی صاحب نے کہا۔ میرا نام ہے محمدؐ عبداللہ۔

پادری صاحب۔ اوحمدؐ۔ یہ بھی محمدؐ۔ وہ بھی محمدؐ۔ دونوں محمدؐ۔ یسوع خدا ہے اسے کیوں نہیں مانتے؟

قاضی صاحب۔ جو عورت کے پیٹ میں نو مہینے پڑا رہا۔ ایسے محدود خدا کو کس طرح مانیں؟ اور.......... ابھی قاضی صاحب یہیں تک کہنے پائے تھے کہ پادری صاحب نے گھبرا کر کہا"۔ ہماری گاڑی کا وقت ہو گیا ہے اب مجھے فوراً جانا چاہیئے۔" یہ کہہ کر بے تحاشا بھاگے۔ مگر کچھ ایسے حواس باختہ ہو گئے کہ کبھی اس پلیٹ فارم پر جاتے۔ کبھی اس پر۔ لندن سٹیشن پر پلیٹ فارم بہت سے ہیں مگر سب کے راستے ایک بڑے مسافر خانے میں کھلتے ہیں۔ جیسے کلکتہ کے پلیٹ فارم ہیں۔ پادری صاحب ایک راستہ سے جا کر دوسرے راستہ سے باہر نکل آئے اور مایوسانہ لہجہ میں کہنے لگے آپ کے ساتھ باتیں کرنے میں میں گاڑی سے رہ گیا اور گاڑی چھوٹ گئی۔

صادق۔ دیکھیے یسوع نے آپ کی کچھ مدد نہ کی۔

پادری صاحب۔ اس کی مرضی۔ وہ لیتا ہے۔ وہ دیتا ہے۔

صادق۔ اس کی مرضی تو آپ کے حق میں کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کیا آپ نے یسوع کو کبھی دیکھا بھی ہے؟

پادری صاحب۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ خدا کی طرف توجہ کیجیے۔

صادق۔ میں نے الحمدللہ مسیح کو بھی دیکھا اور خدا کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ آپ بھی صرف ایک خدا کو مانیں۔ جب نجات ملے گی۔

قاضی صاحب۔ میں نے اس کو دیکھا جو یسوع مسیح سے بھی بڑا ہے۔ اور

سات سال تک اس کے ساتھ رہا ہوں۔

یہ سنتے ہی پادری صاحب پھر بھاگنے لگے اور فرمانے لگے کہ قریب ایک اگلا سٹیشن ہے۔ وہاں سے شاید ریل مل جائے۔ غرض ادھر ادھر پھر کر پادری صاحب پھر وہیں آ گئے۔

صادق۔ اچھا اپنا نام و پتہ لکھوایئے۔

پادری صاحب۔ میرا نام جان ہے۔

صادق۔ وہی جان جو یسوع کا مرشد تھا اور اس نے یسوع کو بپتسمہ دیکر گناہوں سے صاف کیا تھا۔

پادری صاحب۔ نہیں نہیں۔ وہ مجھ "جان" سے بڑا تھا۔ میں جاتا ہوں۔ میں جاتا ہوں.......... یہ کہہ کر فوراً چل دیئے۔

۸۔ قرآن میں نہ سہی حدیث میں ہی دکھاؤ
کہ حضرت شیخ جیلانیؒ کے ساتھ لوگوں نے بدسلوکی کی

ستمبر ۱۹۰۹ء میں حضرت مفتی صاحب کسی ضرورت سے ڈیرہ غازی خاں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک روز اپنے ایک عزیز کے ساتھ بازار گئے تو وہاں ایک شخص سے جو اپنی قوم کا سرکردہ اور با اثر آدمی تھا۔ مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ اس کا نام میوہ تھا۔ جب میوہ کو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب احمدی ہیں تو اس بھلے مانس نے بے تحاشا گالیاں دینی شروع کیں۔ اور کہنے لگا کہ ہماری قوم کا ایک آدمی بھی مرزائی ہو گیا تھا۔ ہم نے تو اس کو فوراً ذات سے خارج کر دیا۔ بھلا چوہڑے اور کافر کے ساتھ ہمارا کیا تعلق؟

حضرت مفتی صاحب نے نہایت نرمی سے اس سے کہا کی جب تک خدا کسی کو خارج نہ کرے اس وقت تک آپ کے خارج کرنے سے کیا بنتا ہے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے مکہ سے خارج کر دیا تھا۔ ان کو کیا نقصان پہنچا؟ پھر جس قدر بزرگ اور اولیاء اللہ امت میں گذرے ہیں ان میں سے اکثر کے ساتھ اس وقت کے مولویوں

اورملانوں نے یہی سلوک کیا۔مگر خدا کے پیاروں کا کوئی شخص کچھ نہ بگاڑ سکا۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے ساتھ نام کے علماء نے بدسلوکی کی۔مگر وہی لوگ مٹ گئے اوران بزرگوں کے نام اب تک زندہ اورروشن ہیں۔جب حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا نام لیا تو میوہ نے فوراً ان کے نام پر اپنی انگلیوں کو بوسہ دیا اور پھران کو اپنی آنکھوں پر پھیرلیا۔اور کہنے لگا''بالکل غلط اورجھوٹ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوا اگر سچے ہوتو دکھلاؤ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے؟

حضرت مفتی صاحب کواس شخص کی اس جہالت پر بے اختیار ہنسی آگئی کہ اسکی اپنی واقفیت کا تو یہ حال ہے کہ حضرت شیخ جیلانیؒ کے تاریخی حالات کی سند قرآن شریف سے مانگتا ہے اوراحمدیوں کی مخالفت میں اس درجہ جوش دکھاتا ہے کہ گویا ان کے جھوٹا ہونے کو خدا کے ہاں سے پوچھ آیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے ساتھ جو صاحب تھے انھوں نے میوہ کو سمجھایا کہ شیخ جیلانیؒ قرآن شریف نازل ہونے کے بہت بعد ہوئے ہیں۔لہذا ان کا ذکر قرآن شریف میں کہاں ہوتا؟اس پر میوہ کہنے لگا۔''چھوڑو جھگڑے کو۔اگر قرآن میں نہیں دکھا سکتے تو پھر حدیث ہی میں دکھادو''۔

یک نہ شد دو شد۔جہالت بھی عجیب مصیبت ہے۔ابھی حضرت مفتی صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا تھا کہ میوہ کے ساتھ جو آدمی تھے ان میں سے ایک کہنے لگا:۔''اجی ان مرزائیوں سے کیا بات کرنی۔ان کی تو جو بات ہے دنیا جہاں سے نرالی ہے یہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے''۔

اس پرحضرت مفتی صاحب نے فرمایا''ہم نہیں کہتے بلکہ قرآن کہتا ہے یٰعیسیٰ انی متوفیك ''اب تم تھانیکے محرر سے پوچھ لو۔پٹواری سے دریافت کرلوکہ متوفی کون ہوتا ہے۔

اس پرایک صاحب کہنے لگے''میاں قرآن کو کیا پیش کرتے ہو۔اس سے تو خارجی شیعہ۔سنی سب دلیل پکڑتے ہیں۔''

صادق،اچھا اگر تم لوگ قرآن شریف سے دلیل لینا پسند نہیں کرتے تو تم خود ہی بتلاؤ کہ فیصلہ کس طرح ہو۔

مفتی صاحب کے اس فرمانے پر میوہ بول اٹھا کہ ''جس طرف زیادہ آدمی ہوں وہی راہ ٹھیک ہوتی ہے۔''

حضرت مفتی صاحب نے فوراً فرمایا اگر یہی صداقت کا معیار ہے تو پھر یورپ میں عیسائی بہت زیادہ ہیں۔اور مسلمان بہت تھوڑے۔تو کیا اس اصل کے ماتحت وہ عیسائی حق اور صداقت پر ہوں گے؟

میوہ۔عیسائی اگر یورپ میں زیادہ ہیں تو ہوا کریں۔ہمیں ان سے کیا ہم اپنے ملک کی بات کرتے ہیں (اپنے ملک سے مراد اس کی صرف ڈیرہ غازیخان کا علاقہ تھا)

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ خدا کے لیے اس بات کو تو ذرا سوچو کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں ہندوز زیادہ ہیں۔کیا وہاں کے مسلمان حق پر نہیں؟

اسی پر بات ختم ہوئی اور حضرت مفتی صاحب آگے چلے گئے۔

جب یہ اوپر کا واقعہ میں نے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہ جہان پوری کو سنایا تو وہ برسبیل تذکرہ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ ایک شیعہ نواب صاحب نے مجھے بڑے فخر سے ایک قلمی قرآن شریف دکھایا اور کہا کہ''یہ خاص مولا علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے''میں نے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کہا کہ''واقعی نہایت عجیب اور بڑی قابل قدر چیز ہے اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے آج کل قرآن شریف دنیا میں موجود ہیں۔'' اس پر ایک صاحب جو اتفاق سے اس وقت وہاں بیٹھے تھے یہ کہنے لگے''جی ہاں بے شک یہ قرآن مجید بہت پرانا اور تیرہ سو برس کا لکھا ہوا ہے مگر جناب میرے دادا صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں ایک سورۃ یوسف لکھی ہوئی تھی وہ اٹھارہ سو برس کی پرانی تھی۔''اس پر میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا''تو جناب وہ سورۃ اُتری بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر ہوگی''۔

۹۔ دولتمند اور خدا کی بادشاہت

حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ جماعت احمدیہ شملہ نے وہاں ایک تبلیغی جلسہ کرنے کا ارادہ کیا۔اور حضرت خلیفۂ اوّل سے درخواست کی کہ قادیان سے دو تین علماء جلسہ میں تقریریں کرنے کے لیے بھیج دیے جاویں حضرت خلیفۂ اوّل نے جن علماء کو شملہ بھیجا ان میں حضرت مفتی صاحب بھی تھے۔چنانچہ حضرت مفتی صاحب معہ اپنے ساتھیوں کے شملہ پہنچے اور جلسہ میں شامل ہوئے۔انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک احمدی دوست کو ہمراہ لے کر جو مفتی صاحب باہر سیر کے لیے نکلے تو اس دوست نے کہا کہ ''مفتی صاحب یہاں کے گرجا میں ابھی چرچ آف انگلینڈ کے ایک بڑے پادری صاحب آئے ہوئے ہیں۔آج چل کے ان سے کچھ مذہبی گفتگو کریں۔گرجا تھوڑی دور ہے اور آپ کو زیادہ مسافت طے نہیں کرنی پڑے گی اگر آپ اُن انگریز پادری صاحب سے گفتگو کرنا چاہیں تو میں آپ کو وہاں لے چلوں۔حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''کیا مضائقہ ہے۔اچھا ہے تبادلہ خیالات ہو جائیگا۔''

خیر دونوں کے دونوں گرجا میں جا پہنچے۔جو پاس ہی تھا۔پادری صاحب جو انگریز تھے بڑے اخلاق سے پیش آئے ۔ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:۔جناب پادری صاحب۔کیا میں آپ سے کوئی مذہبی سوال کر سکتا ہوں''؟

پادری صاحب۔(نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ) ہاں بڑے شوق سے آپ جو چاہیں پوچھیں۔

صادق:۔ قبل اسکے کہ میں اصل سوال کروں۔مہربانی کر کے مجھے بتلایئے کہ آجکل دنیا میں سب سے امیر اور دولتمند لوگ کس ملک میں رہتے ہیں؟

پادری صاحب۔(ہنس کر) یہ سوال تو معمولی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آجکل سب سے زیادہ دولتمند امریکہ اور یورپ کے لوگ ہیں۔

صادق:۔ اب مہربانی کر کے ساتھ کے ساتھ یہ بھی بتا دیجئے کہ یورپ اور امریکہ

کے لوگوں کا عام مذہب کیا ہے؟

پادری صاحب۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات نہیں۔ہر شخص کو معلوم ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگ عیسائی ہیں۔

صادق:۔ میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے میرے دونوں سوالوں کے نہایت صحیح جواب دیئے۔اس تمہید کے بعد اب میں اصل سوال آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ متی کی انجیل کے انیسویں باب آیت 23/24 میں لکھا ہے کہ:

''اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔''

اب میں آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب سارا یورپ اور تمام امریکہ دولتمند اور کروڑ پتی عیسائیوں سے بھرا پڑا ہے۔تو یسوع کے قول کے مطابق یہ لوگ آسمانی بادشاہت میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں اور جب نہیں شامل ہو سکتے تو پھر ان کی نجات کا کیا ذریعہ ہے اور کس طرح وہ بہشت میں داخل ہوں گے؟

پادری صاحب۔ یہاں مسیح کا مطلب ''دولتمند'' سے یہ نہیں ہے کہ بہت زیادہ روپیہ پیسے والا۔ بلکہ ایسے لوگوں سے مراد ہے جو دولت سے دل لگاتے ہیں اور مذہب کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

صادق۔ پادری صاحب! کیا آپ براہ نوازش مجھے بتلا سکتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے لاکھوں دولتمندوں میں سے کس قدر فی صدی لوگ ایسے ہیں جو دولت رکھنے کے باوجود دولت سے دل نہیں لگاتے وہ مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

پادری صاحب۔ میرا خیال ہے ایسے تھوڑے ہی ہوں گے۔شاید ۵۰ فی صدی ہوں۔مگر نہیں اتنے بھی نہیں ہوں گے۔شاید ۲۵ فی صدی ہوں۔مگر یہ نسبت بھی زیادہ ہے شاید ۱۰ یا ۱۲ فی صدی ہوں۔ (کچھ سوچ کر) غالباً اتنے بھی نہیں ہوں گے۔شاید ۵ فی

صدی ہوں۔ مگر نہیں ٹھہریے۔ ہمارے ہاں ایک دیسی پادری صاحب بطور مہمان آئے ہوئے ہیں وہ انجیل اور توریت کے بڑے فاضل اور نہایت عالم آدمی ہیں میں اندر جا کر ان کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ آپ کے سوال کا تسلی بخش جواب آپ کو دے سکیں گے۔

یہ کہہ کر انگریز پادری صاحب فوراً اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ اور اندر سے تھوڑی دیر کے بعد ایک دیسی پادری صاحب جو پہلے کوئی سکھ یا ہندو ہوں گے باہر آ گئے۔ اور فرمانے لگے کہ ”آپ نے ہمارے پادری صاحب سے کیا سوال کیا تھا؟ ذرا مہربانی فرما کر پھر سے اسے دہرائیے۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے وہ ساری گفتگو دہرائی جو اُن میں اور انگریز پادری صاحب میں ہوئی تھی اور پھر فرمایا کہ ”انجیل کے اس حوالے سے جو میں نے ابھی آپ کو سنایا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دولتمند چونکہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یورپ اور امریکہ کے لاکھوں دولتمندوں میں سے کوئی ایک شخص بھی بہشت میں نہیں جا سکے گا۔“

حضرت مفتی صاحب کی بات سن کر وہ دیسی پادری صاحب جو بظاہر بہت سنجیدہ اور متین معلوم ہوتے تھے اور خاصے سن رسیدہ تھے۔ منہ بنا کر فرمانے لگے:

”اگر یورپ اور امریکہ کے کروڑ پتی بہشت میں نہیں جا سکتے تو جائیں جہنم میں مجھے کیا پرواہ ہے“۔ اور اندر تشریف لے گئے۔

۱۰۔ جواب ہو تو ایسا

۱۰ مئی ۱۹۲۴ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مہمان خانہ میں حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضرت مفتی صاحب نے ولایت کا ایک بہت مزیدار لطیفہ سنایا جو قارئین کرام کے تفنن طبع کے لیے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

لندن میں ایک صاحب حیثیت شخص کے پاس کتابوں کا معقول ذخیرہ تھا۔ آدمی چونکہ نفیس طبع اور شوقین مزاج تھے اس لیے بڑی خوبصورتی اور صفائی اور احتیاط کے ساتھ اپنی

کتابوں کو رکھتے تھے۔ ساری کتابیں مضمون وار بہت قرینے سے الماریوں میں رکھی تھیں۔ اور ساری الماریاں ایک مخصوص کمرہ میں رکھی ہوئی تھیں۔ مطالعہ کے لیے کمرہ میں کرسیاں اور صوفے پڑے ہوئے تھے۔ میز پر قلم، دوات اور کاغذ سب چیزیں موجود تھیں۔ اور ان سب کی روزانہ صفائی کا بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ گرد کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ روزانہ صفائی ہوتی رہے تو گرد کیوں ہو؟

ان صاحب کے ایک دوست تھے ان کو اتفاق سے کسی کتاب کی ضرورت پڑی۔ جو اُن کے پاس تھی۔ وہ آئے اور کہنے لگے کہ چند دن کے لیے وہ کتاب دیدیں۔ دیکھ کر واپس کر دونگا۔

انھوں نے کہا جناب میں نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ کسی بھی حالت میں کوئی کتاب کسی کو نہ دوں اس لئے میں اپنے اصول سے مجبور ہوں۔ کمرہ میں بیٹھ کر جو کتاب آپ چاہیں شوق سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور جب تک چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ کوئی آپ کے کام میں حارج نہیں ہوگا۔ گھر پر کتاب دینے سے معذور ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ اور میری صاف گوئی پر برا نہ مانیں گے۔

اس پر وہ صاحب جو کتاب مانگنے گئے تھے اپنا سا منہ لے کر چلے آئے۔ ان کو اس انکار پر غصہ تو بہت آیا۔ مگر کرتے بھی کیا۔ قہر درویش بر جان درویش چپ ہو کر بیٹھ رہے۔

کچھ دن کے بعد اتفاقاً لائبریری والے صاحب کو اپنے باغیچہ کی گھاس تراشنے کے لیے مشین کی ضرورت ہوئی۔ اور تو کہیں سے ملی نہیں۔ اس دوست کے پاس تھی جسے انھوں نے کتاب دینے سے انکار کیا تھا۔ اس پر انہوں نے ان صاحب کو ایک رقعہ لکھا کہ ”میرے باغیچہ کی گھاس بہت بڑی ہو گئی ہے۔ اور میرے پاس گھاس کاٹنے کی مشین موجود نہیں۔ میں نہایت شکر گذار ہونگا۔ اگر آپ ازراہ نوازش دو تین روز کیلیے اپنی مشین مجھے بھیج دیں۔ ضرورت رفع ہونے پر فوراً واپس بھیجدوں گا۔“

اس رقعہ کا جواب ان کو یہ ملا:۔

جناب میں نے اپنا اصول بنا رکھا ہے کہ گھاس کاٹنے کی مشین کسی بھی حالت میں کسی

شخص کو کبھی نہ دوں۔ اس لیے میں اپنے اصول سے مجبور ہوں۔ ہاں میرے باغیچہ میں آپ جب چاہیں نہایت شوق سے تشریف لائیں۔ اور جب تک چاہیں باغیچہ کی گھاس کاٹتے رہیں۔ باغیچہ میں آپ بہت شوق سے مشین کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ہرگز کوئی آپ کے کام میں حارج نہیں ہوگا۔ گھر پر مشین بھیجنے سے معذور ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے اور میری صاف گوئی پر بُرا نہیں مانیں گے۔''

۱۱۔ قصر نماز کی انوکھی ضرورت

حضرت مفتی صاحب نے حضرت مسیح موعود کا ایک نہایت دلچسپ لطیفہ سنایا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ضلع سیالکوٹ کے کسی پیروں کے خاندان کے تین اصحاب حضرت خلیفۂ اوّل سے علاج کرانے کے لیے قادیان آئے اور حضور کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک حضور سے پوچھنے لگا کہ قصر نماز کا مسئلہ کس طرح ہے؟

حضور۔ آپ کو قصر نماز کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟

پیر صاحب۔ ہم اپنے مریدوں میں جایا کرتے ہیں جو مختلف دیہات میں پھیلے ہوئے ہیں اس واسطے سفر کرنا پڑتا ہے۔

حضور۔ (مسکرا کر) ایک پیر صاحب تھے وہ اپنے ایک مرید کے پاس گاؤں میں گئے۔ مرید بچارا بہت غریب تھا اور اس کے پاس اتنا نہ تھا کہ پیر صاحب کی خدمت میں نذرانہ پیش کر سکے۔ پیر صاحب کی آمد کی خبر سن کر غریب ایک کھیت میں جا چھپا اور ساری رات وہاں چھپا رہا۔ صبح کو اس نے خیال کیا کہ اب پیر صاحب چلے گئے ہونگے۔ لہذا گھر چلنا چاہیے مگر جب وہ گھر آ رہا تھا تو پیر صاحب گلی میں مل گئے۔ اور کہنے لگے ''لاؤ ہماری نذر۔'' مرید کہنے لگا حضور اگر آپ کو اپنی نظر دیدوں تو خود کس طرح دیکھوں؟ پیر صاحب کہنے لگے ''ہم تو روپیہ مانگتے ہیں۔'' غریب مرید نے عرض کی کہ ''حضور میرے پاس روپیہ ہوتا تو ساری رات کھیت میں کیوں چھپا رہتا۔''

یہ دلچسپ اور سبق آموز کہانی سنا کر حضرت اقدس نے اُن صاحب سے کہا کہ اگر آپ اپنے گھر میں بیٹھے رہیں تو جو کچھ آپ کی قسمت کا ہے وہیں گھر بیٹھے پہنچ جائے گا اور اس طرح نہ آپ کو نمازیں قصر کرنے کی ضرورت پیش آئے گی نہ رزق کی تنگی رہے گی۔

۱۲۔ منارے پر سے چھلانگ

۱۹۱۰ء یا اس کے قریب کا واقعہ ہے کہ مفتی صاحب گوڑگانواں کسی تبلیغی ضرورت کے لیئے گئے۔ اور ایک احمدی دوست کے ہاں ٹھہرے جو انسپکٹر آبکاری تھے۔ انسپکڑ صاحب کا لڑکا مفتی صاحب سے کہنے لگا کہ ایک پادری صاحب میرے ملنے والوں میں سے ہیں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ ''اگر تمھارا کوئی عالم یہاں آئے تو مجھ سے ضرور ملوانا''۔ چونکہ اتفاق سے اس وقت آپ تشریف لے آئے ہیں لہذا اگر آپ فرمائیں تو میں اُن کو بلا لاؤں؟'' مفتی نے کہا کہ ''کیا مضائقہ ہے بلا لیں۔'' چنانچہ دوسرے دن صبح کو جب مفتی صاحب ناشتہ کر رہے تھے پادری صاحب تشریف لے آئے۔ خیر چائے سے ان کی تواضع کی گئی اور اس کے بعد سلسلہ کلام شروع ہوگیا۔

پادری صاحب فرمانے لگے۔ ''مفتی صاحب! آپ مرزا غلام احمد صاحب کو خدا کا مسیح سمجھتے ہیں؟

صادق:۔ بے شک ہم حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوۃ والسلام کو خدا کا مسیح موعود یقین کرتے ہیں۔

پادری صاحب۔ آپ کے پاس مرزا صاحب کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ وہ پیش کریں۔

صادق:۔ دیکھیے پادری صاحب! دین میں مختلف خیال اور مختلف عقیدہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا معیار تحقیق بھی مختلف ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں کسی امر کی صداقت کے لیے کوئی دلیل پیش کروں اور آپکے نزدیک وہ بالکل فضول ہو اس صورت میں

کسی معاملہ کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ بہت مشکل ہوتا ہے اس لیے میں آپ کی خدمت میں ایک بہت ہی آسان شکل پیش کرتا ہوں۔ جس سے بہت سا جھگڑا بڑی آسانی سے طے ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آخر آپ بھی ہماری طرح ایک شخص کو مسیح مانتے ہیں۔ اور اس کی سچائی کی بھی آپ کے پاس دلیلیں ہوں گی۔ پس جو دلیل بھی آپ اپنے یسوع کے مسیح ہونے کی پیش فرمائیں۔ میں انشاء اللہ ویسی ہی دلیل حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسیح ہونے کی پیش کردوں گا چلیے جھگڑا ختم ہوا۔ ابھی دومنٹ میں فیصلہ ہوجاتا ہے۔

اس پر پادری صاحب فرمانے لگے کہ ''اوہ! یسوع کی سچائی کی تو بہت سی دلیلیں ہیں۔''

صادق:۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً ہوں گی۔ بس اُن بہت سی میں سے آپ ایک دلیل بیان فرمادیں۔

پادری صاحب۔ یسوع کی صداقت سے تو ساری انجیل بھری پڑی ہے۔

صادق:۔ میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ ایسا ہی ہے مگر اس بھری ہوئی انجیل میں سے صرف ایک دلیل چاہتا ہوں۔

بحث میں دیر لگ گئی۔ مگر پادری صاحب کو کوئی تسلی بخش دلیل نہ سوجھتی تھی آخر کچھ دیر کے بعد سوچ سوچ کر فرمانے لگے کہ دیکھئے میں ایک بہت عمدہ دلیل پیش کرتا ہوں۔ آپ ویسی ہی دلیل اپنے کہنے کے مطابق مرزا صاحب کی صداقت کی پیش کریں۔

صادق:۔ ارشاد ہو۔ میں غور سے سُن رہا ہوں۔

پادری صاحب۔ دیکھئے متی باب ۴ آیت ۶ تا ۱۱ میں لکھا ہے

''ابلیس اسے (یعنی یسوع کو) مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرادے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔

یسوع نے اس سے کہا

یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر اس کے بعد یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو۔

تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آکر اس کی خدمت کرنے لگے''

یہ بیان کر کے پادری صاحب نے بڑے فخر سے کہا'' مفتی صاحب یہ دلیل ہے ہمارے یسوع کے مسیح ہونے کی کیا آپ کے مرزا صاحب کے پاس بھی کبھی شیطان نے آکر ایسی بات پیش کی ہے؟ بتلائے اور جواب دیجئے۔''

مفتی صاحب مسکرائے اور انھوں نے جواب دیا پادری صاحب مجھے مطلق پتا نہیں تھا کہ آپ اپنے یسوع کی صداقت کی کیا دلیل پیش کریں گے اور میں سوچ رہا تھا کہ بہت ممکن ہے آپ کوئی ایسی انوکھی بات پیش کردیں جس میں غور کرنے اور سوچنے کی کافی ضرورت پڑے لیکن میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے جو دلیل پیش کی بالکل وہی کی وہی دلیل مجھے خدا نے حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیجیے سنئے اور غور فرمائیے۔

۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے کہ ایران سے ایک شیعہ مجتہد ہندوستان آئے۔ اور لاہور میں قیام کیا ان کا نام شیخ محمد رضا طہرانی نجفی تھا۔ وہ شیعوں کے بڑے عالم تھے لاہور پہنچ کر انھوں نے حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں ایک اشتہار شائع کیا جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بات بھی لکھی کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو لاہور آئیں اور یہاں کی شاہی مسجد کے ایک منارہ پر وہ چڑھ جائیں ایک پر میں چڑھ جاؤں اور پھر دونوں نیچے چھلانگ لگائیں۔ ہم دونوں میں سے جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا۔ جو جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اگر مرزا صاحب واقعی مسیح موعود ہیں تو لاہور آئیں اور اپنی صداقت کا امتحان پبلک کے سامنے دیں۔

لاہور کے شیعہ اس اشتہار پر بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے وہ اشتہار حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیج کر مطالبہ کیا کہ اس اشتہار کے جواب میں

اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے آپ فوراً لاہور آئیں اور شیخ نجفی کا مقابلہ کریں۔

اس پر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کو فارسی میں ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا کہ یہ مطالبہ نہایت مضحکہ خیز ہے۔ اور ہرگز قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ صداقت دلائل سے ثابت کی جاتی ہے نہ کہ منارہ پر سے چھلانگ لگا کر۔ لیکن اس بات کو علیحدہ رکھ کر مطالبہ سے بھی میری صداقت اسی طرح ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ شیخ نجفی صاحب نے یہ مطالبہ کر کے خود ہی مجھے مثیل مسیح مان لیا ہے۔ یعنی جو مطالبہ شیخ نجفی آج مجھ مسیح محمدی سے کر رہے ہیں بالکل یہی مطالبہ آج سے انیس سو سال پہلے مسیح اسرائیلی سے شیخ نجدی (شیطان) نے کیا تھا۔ اُس وقت جو جواب مسیح اسرائیلی نے شیخ نجدی کو دیا تھا بالکل وہی جواب میں مسیح محمدی آج شیخ نجفی کو دیتا ہوں۔ انجیل میں وہ جواب پہلے ہی سے لکھا ہوا موجود ہے۔ وہاں پڑھ لیں اور پھر سوچ لیں کہ شیخ نجفی نے اپنے آپ کو اس مقابلہ کی دعوت میں کس کا مثیل ٹھرایا؟ مفتی صاحب کی یہ تقریر سن کر پادری صاحب حیران ہو گئے اور ان کو کوئی جواب بن نہ آیا فرمانے لگے اس وقت اجازت چاہتا ہوں فرصت ہوئی تو پھر حاضر ہونگا۔ مفتی صاحب نے کہا بہتر ہے مگر پھر پادری صاحب نہیں آئے۔

۱۳۔ شراب کی بجائے پانی پر ٹیکس

حضرت مفتی صاحب نے ۲۷/اگست ۱۹۲۶ء کے الفضل میں شذرات کے عنوان سے کچھ دلچسپ اور مفید نوٹ لکھے ہیں۔ انہی میں یہ مزیدار لطیفہ بھی بیان کیا جو بڑا ہی مضحکہ خیز ہے۔ سنیے:۔

میونچ ملک آسٹریا میں ایک شہر ہے آبادی چھ لاکھ کے قریب ہے وہاں کی بیئر شراب مشہور ہے۔ نہایت کثرت کے ساتھ بنائی جاتی اور خوب پی جاتی ہے۔ شہر کی بہبودی اور ترقی اور فلاح عام کے کسی کام کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی۔ میونسپل کمیٹی کے پاس روپیہ کی کمی تھی۔ اس لیے کمیٹی میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ بیئر شراب پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ اس طرح

جس قدر رقم کی ضرورت ہے وہ جمع ہو جائے گی اور قرض لینا نہیں پڑے گا۔ کمیٹی میں بڑا گرما گرم مباحثہ ہوا۔ اور بالآخر تمام ممبران کے اتفاق سے یہ بات طے ہوئی کہ شراب تو نہایت اہم شے اور ضروریات زندگی میں سے ایک لازمی چیز ہے۔ اس پر ٹیکس لگانا ہرگز مناسب نہیں۔ البتہ پانی پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ چنانچہ پانی پر ٹیکس لگا دیا گیا۔ جو باشندوں نے خوشی خوشی ادا کر دیا۔ اور اس طرح پندرہ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔

یورپ میں شراب نوشی کی جس قدر کثرت ہے اس کا نہایت دلچسپ نمونہ ایک خبر کے طور پر ۲۹ جون ۱۹۴۶ء کے روزنامہ پرتاب لاہور میں شائع ہوا ہے ناظرین کی تفنن طبع کے لیے ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

۲۷/جون ۱۹۴۶ء کو فرانس کے دارالخلافہ پیرس میں ایک سکول ماسٹر کا ۶۴ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ یہ ماسٹر صاحب ساری عمر مجرد رہے اور انھوں نے کوئی شادی نہیں کی۔ مرنے سے پہلے ان ماسٹر صاحب نے ایک عجیب و غریب جدت کی اور وہ یہ کہ اپنی آواز کا ریکارڈ تیار کرایا۔ اور اسے محفوظ کر کے وصیت کر دی ''جب میرا انتقال ہو جائے تو فوراً اس ریکارڈ کو بجایا جائے۔ اور جو کچھ آواز اس ریکارڈ میں سے نکلے اس کے مطابق حاضرین عمل کریں۔''

یہ وصیت کر کے ماسٹر صاحب رحلت فرما گئے۔ جب ماسٹر صاحب کے اعزہ اور احباب سکول کے ماسٹر اور طلبا تدفین میں شامل ہونے کے لیے ان کے مکان پر جمع ہوئے تو سب نے بلند آواز کے ساتھ متوفیٰ ماسٹر صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''لیڈیز اینڈ جنٹل مین! آپ نے نہایت مہربانی فرمائی جو میری تعزیت کے لئے اپنے قیمتی وقت کا ہرج کر کے تشریف لائے۔ میں تو اب مر گیا ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ مگر میری روح اس عنایت کے لیے آپکی نہایت شکر گذار ہے۔ اس تکلیف فرمائی کے شکریہ میں افسوس ہے کہ میرا بے جان جسم آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا مگر اس خیال سے کہ آپ بالکل ہی خالی نہ جائیں۔ آپ کی تھوڑی بہت مدارات کا میں نے انتظام کر دیا ہے اور وہ یہ کہ میں نے کمرہ میں پانچ سو بوتلیں اعلیٰ درجہ کی شراب کی آپ کے لیے رکھدی ہیں پس براہِ کرم میرے

کمرہ میں تشریف لے جائیں۔ اور میرے اس حقیر ہدیہ کو شرف قبولیت بخش کر میری روح کو ممنون فرمائیں۔ آپ صاحبان کو اپنے مکان میں شراب پیتے دیکھ کر میری روح حقیقی مسرت محسوس کرے گی۔"

چنانچہ حاضر الوقت اصحاب نے خلوص قلب سے اس غائبانہ دعوت کو قبول کیا۔ اور آن کی آن میں پانچ سو بوتلیں خالی کر ڈالیں۔

۱۴۔ ذراسی غلطی اور پانی کی بالٹی

اس قسم کے سینکڑوں لطیفے زباں زد عوام ہیں کہ غیر زبان کو پوری طرح نہ جاننے یا الفاظ میں ناواقفیت کے باعث ذراسی غلطی ہو جانے سے معنی اور مطلب میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ لطیفہ فرانس میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

جب مفتی صاحب ہندوستان سے انگلستان تشریف لے گئے تھے تو راستہ میں فرانس سے بھی گزرے تھے۔ مگر اس وقت فرانسیسی زبان سے بالکل ناواقف تھے۔ لیکن جب سات سال انگلستان اور امریکہ میں تبلیغ کے بعد واپس ہندوستان ہوئے تو راستہ میں ڈیڑھ ماہ کے لیے فرانس میں بھی قیام فرمایا تھا۔ اس دوران میں کچھ فرانسیسی آپ نے سیکھ لی تھی۔

ایک روز آپ ایک ہوٹل میں گئے۔ وہاں آپ کافی پینا چاہتے تھے۔ آپ نے خیال کیا کہ اتنی فرانسیسی تو مجھے آ گئی ہے کہ میں ہوٹل کے ملازم کو کافی لانے کا حکم فرانسیسی میں دوں۔" اس کے لیے مفتی صاحب کو کہنا چاہیے تھا "کافے او لے" جس کے معنی فرانسیسی میں ہیں "دودھ والی کافی لے آؤ" مگر بجائے اس کے مفتی صاحب کے منہ سے نکلا "کافے اے لو" ہوٹل کے ملازم نے بڑے تعجب کے ساتھ اس حکم کو سنا مگر ایک لفظ زبان سے نکالے بغیر خاموشی کے ساتھ کمرہ سے باہر چلا گیا۔ اور دو تین منٹ میں ایک پیالی خالی کافی کی بغیر دودھ کی اور ایک بالٹی گرم پانی کی بھری ہوئی لے آیا۔ مفتی صاحب نے کہا "یہ پانی کیوں لائے ہو؟" تو ملازم نے کہا "آپ نے ہی تو حکم دیا تھا کہ "کافے اے لو" (اس فقرہ کے معنی یہ ہیں کہ کافی اور پانی لے آؤ) میں آپ کے حکم کی تعمیل میں کافی اور پانی

لے آیا۔" اس وقت مفتی صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

دیکھا آپ نے "لے" کی بجائے "لو" کہہ دینے سے فقرہ کے معنی کچھ کے کچھ ہو گئے۔

۱۵۔ سؤر کا گوشت لاؤں؟

یورپ میں عیسائی لوگ سور کا گوشت ایسی رغبت، شوق اور کثرت کے ساتھ کھاتے ہیں کہ یہ ان کی خوراک کا ایک بہت ہی ضروری جزو ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روز حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ جب میں ہندوستان سے تبلیغ اسلام کے لیے انگلستان جا رہا تھا تو راستہ میں فرانس میں بھی ٹھہرا۔ وہاں جب میں ایک ہوٹل میں گیا تو میں نے ہوٹل کے ملازم سے کہا کہ "میرے لیے ایک انڈا لاؤ" اس پر اس ملازم نے چپکے سے پوچھا کہ "کیوں جناب انڈے کے ساتھ تھوڑا سا سؤر کا گوشت بھی لے آؤں؟" میں نے گھبرا کر کہا نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ صرف انڈا لاؤ"

۱۶۔ عُلَما شکھش

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ جب حضرت خلیفۂ اوّلؓ مہاراجہ کشمیر کے طبیب خاص تھے تو ایک مرتبہ جموں میں آپ کے مکان پر لوگوں کی محفل گرم تھی اور لوگ مختلف اغراض و مقاصد کے لیے آ جا رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک صاحب جبہ در بر اور عمامہ بر سر بڑی شان سے تشریف لائے ریش مقدس بھی خاصی دراز تھی اور آ کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے۔ (حضرت خلیفۂ اوّل کی محفل میں نشست فرش پر ہوتی تھی۔) کچھ دیر کے بعد حضرت خلیفۂ اوّلؓ نے پوچھا کہ "آپ کون صاحب ہیں؟" اس پر انھوں نے جو جواب دیا اسے سن کر ساری محفل ہنسنے لگی۔ فرمانے لگے "حکیم صاحب ہم علماء شکھش ہیں۔ (یعنی ہم مولوی ہیں)

۱۷۔ ’’یہ کووہ بنادو‘‘

ایک روز مہمان خانہ قادیان میں حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری کے پاس بیٹھے ہوئے میں کچھ لکھنے لگا تو دیکھا کہ دوات کا ڈھکنا نہیں ہے میں نے حضرت حافظ صاحب سے پوچھا ’’اس کاوہ کہاں گیا؟‘‘ حافظ صاحب سمجھ گئے۔اور انھوں نے ڈھکنا اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا ’’وہ یہ رہا۔‘‘ اس پر حضرت مفتی صاحب نے ایک مزیدار لطیفہ سنایا۔ فرمانے لگے ’’جب میں لاہور میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھا۔تو اتفاق سے ایک بنگالی ہیڈ کلرک نیا نیا آیا۔اس بیچارے کو اُردو بہت تھوڑی آتی تھی۔اشاروں کناؤں میں اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں وہ اپنا کام نکالا کرتا تھا۔چنانچہ جب کبھی اسے کسی مسل کے متعلق کوئی کاروائی کرانی ہوتی تو مسل کو ہاتھ میں لے کر اُوپر اٹھاتا اور زور سے کہتا ’’او مسٹر محمد صادق یہ کووہ بنادو‘‘ میں سمجھ جاتا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔اور کام کر دیتا۔

۱۸۔ ایک اکیلا آدمی کیا کرسکتا ہے

امریکہ میں تبلیغ اسلام کرتے ہوئے مفتی صاحب کو دو سال ہوئے تھے کہ ایک سوسائٹی نے آپ کو اپنے ہاں اسلام پر لیکچر دینے کے لئے بلایا اور سارا خرچ خود برداشت کیا۔جب حضرت مفتی صاحب وہاں پہنچے تو ایک ہوٹل کی بائیسویں منزل پر اُن کے ٹھہرانے کا انتظام تھا اور تیس روپے اُن کے روزانہ خرچ کے لئے مقرر کئے ۔ وقت مقررہ پر حضرت مفتی صاحب نے ایک لیکچر دیا جس کو تمام سامعین نے غور اور شوق سے سنا۔لیکچر کے آخر پر ایک پادری صاحب اٹھے اور فرمانے لگے کہ

آپ جو تن تنہا ہندوستان سے چل کر یہاں آئے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ یہاں کس طرح کامیاب ہوجائیں گے؟ اور یہاں کون سا تیر مارلیں گے؟ ہم نے سینکڑوں مشنری ہندوستان بھیجے ہوئے ہیں جو دن رات نہایت تندہی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں ان کے مقابلہ میں آپ اکیلے آدمی یہاں کیا کرلیں گے؟

جب مفتی صاحب اس سوال کا جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو صدر جلسہ نے کہا کہ یہ بات ہی فضول ہے۔اس کا جواب دینے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا ضروری سوال ہے اور میں اس کا جواب ضرور دوں گا اس کے بعد مفتی صاحب پادری صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا:۔

جو سوال آپ نے اس وقت اٹھایا ہے یہ اسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے گویا آپ نے اپنے منہ سے اسلام کے مذہب حق ہونے کا اقرار کرلیا ہے

پادری صاحب: یہ کس طرح؟ ذرا تفصیل سمجھائیے۔

صادق صاحب: آپ کے پادریوں نے سو برس میں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہا کر ہندوستان میں جو کچھ کام کیا ہے اسے دیکھیئے اور مجھ اکیلے نے دو برس میں یہاں جو کچھ کیا ہے اس کا مقابلہ کیجیے۔آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ نسبت کیا ہے اور کس نے کام زیادہ اور عمدہ کیا۔ اس غیر ملک میں مجھ اکیلے کی کامیابی ہی عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی عظیم الشان فتح کا ثبوت ہے۔

۱۹۔ یسوع کے وقت کی نماز

۲۹/اکتوبر ۱۹۲۵ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے ایک بڑا دلچسپ لطیفہ رقم فرمایا ہے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

امریکہ کے شہر ٹمپلٹن میں ایک نیا گرجا دو سو سال کے قدیم گرجوں کے نمونہ پر بنایا گیا ہے۔اس گرجا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نماز کا وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو آج سے دو سو سال پہلے عیسائی دنیا میں رائج تھا۔اور جو موجودہ طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔کاش کوئی ایسا بھی گرجا بنایا جاتا جس میں نماز کا وہ طریقہ اختیار کیا جاتا جو یسوع اور اس کے حواریوں کا تھا۔مگر افسوس یہ ہے کہ آج تمام عیسائی دنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جسے معلوم ہو کہ وہ کیا طریقہ تھا؟ پھر گرجا کس طرح بنائیں اور نماز کس طرح پڑھیں؟

۲۰۔ لالہ کریم الدین

حضرت مفتی صاحب نے ایک روز لطیفہ سنایا کہ جب میں لاہور میں اکاؤنٹینٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھا تو ایک دفعہ ایک انگریز ہمارے دفتر میں سپرنٹینڈ ینٹ ہوکر کہیں سے بدل کر آیا۔ آتے ہی کسی شخص نے اسے سمجھا دیا کہ دفتر کے کلرکوں کو اگر اخلاق کے ساتھ مخاطب نہ کیا جائے تو ان کو بُرا محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے آپ مسلمان کلرکوں کے ساتھ ''میاں'' کا لفظ بولا کریں اور ہندو کلرکوں کے ناموں کے ساتھ ''لالہ'' لفظ بولا کریں۔ اس نے کہا ''اچھا'' مگر وہ ہندو مسلمان ناموں میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ اکثر پکارتا۔ ''لالہ کریم الدین۔'' کبھی کہتا ''میاں رام لال'' لوگوں نے پھر اسے سمجھایا کہ یہ نہایت قابل اعتراض بات ہے۔ جب مسلمانوں کو ''لالہ'' کے لفظ کے ساتھ آپ مخاطب کرتے ہیں تو ان کو نہایت بُرا لگتا ہے ایسا کبھی نہ کریں۔

اس پر وہ انگریز بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا ''ہم تو بڑا کوشش کرتا ہے کہ سب کو خوش رکھے۔ مگر ہم سمجھ نہیں سکتا کہ کس کو ''لالہ'' کہیں اور کس کو ''میاں'' اچھا ہم آج سے اس جھگڑے ہی کو ختم کرتا ہے اور سب کو مسٹر کہا کرے گا۔ چاہے کوئی ہندو کلرک ہو یا مسلمان'' چنانچہ اس روز اس نے ہندو مسلم دونوں کو مسٹر کے لفظ سے بلانا شروع کر دیا۔

۲۱۔ شیخی اور خواہش شہرت

۸/اپریل ۱۹۲۷ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے جو شذرات لکھے ہیں۔ ان میں یہ لطیفہ بھی قلمبند فرمایا جو بے وقوفی اور فضول خرچی کا شاہکار ہے لیجیے سنیے:۔

رومانیہ کی ملکہ میری سیر کیلیئے امریکہ تشریف لے گیئں۔ جس ہوٹل میں آپ نے امریکہ پہنچ کر قیام فرمایا۔ اس میں کھانے کا جو کمرہ تھا۔ وہاں جس وقت ملکہ کھانا کھانے گئی۔ تو بڑے بڑے معزز اور امیر لوگوں نے جو اس ہوٹل میں بطور مسافر مقیم تھے مینجر ہوٹل سے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ہمیں ملکہ کے پاس والی کرسی پر بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔ تا

کہ ہمیں یہ فخر ہو کہ ہم نے ملکہ رومانیہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

مینجر ہوٹل بہت تجارتی دماغ کا انسان تھا۔ اسے اپنے فائدہ کی فوراً ایک تدبیر سوجھی اور اس نے تمام خواہش مند مسافروں سے کہا ''مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ملکہ کے پاس بیٹھنے کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے آپ کو کچھ خرچ کرنا پڑے گا جو عزت اور شہرت کے مقابلہ میں بہت ہی خفیف رقم ہوگی۔ جسوقت اخباروں میں چھپے گا کہ فلاں صاحب نے ملکہ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھایا تو کس قدر اس خوش نصیب شخص کو اس کی مسرت ہوگی۔ اور جس وقت ملکہ اور اس شخص کے فوٹو اکٹھے اخباروں میں شائع ہوں گے تو اس شخص کی کس قدر شہرت ہوگی۔ پس جو شخص مجھے سب سے زیادہ رقم دے میں یہ اعزاز اس کے لیے مخصوص کر دونگا۔ اس پر نیلام شروع ہوا۔ اور جس ''خوش قسمت'' انسان کو یہ اعزاز حاصل ہوا اسے اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر (قریباً ڈھائی ہزار روپیہ) ادا کرنی پڑی۔

نمود و نمائش اور شہرت طلبی کی خواہش انسان کو بالکل مخبوط الحواس بنا دیا کرتی ہے افسوس

۲۲۔ ایک پنتھ دو کاج

ایک مرتبہ ایک دوست کے ساتھ حضرت مفتی صاحب بمبئی کے ایک بازار میں سے گذر رہے تھے۔ سرراہ ایک عرضی نویس قلم دوات اور کاغذ وغیرہ لئے بیٹھا تھا۔ جو کوئی اس سے اپنا خط لکھواتا دو چار پیسے لے کر لکھ دیتا۔ وہ دوست کہنے لگے ''مفتی صاحب! جب جانیں کہ آپ اس عرضی نویس کو تبلیغ کریں۔'' مفتی صاحب نے فرمایا ''یہ بھی کوئی مشکل کام ہے ابھی لو۔''

کہہ کر حضرت مفتی صاحب اس عرضی نویس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ ''منشی جی! ایک بہت ضروری خط لکھوانا ہے لیکن ہے بہت بڑے آدمی کے نام۔ مہربانی فرما کر بہت عمدہ کاغذ لے لیجیے اور جس طرح میں بتاؤں اس خط کو خوب سنوار کر خوش خط لکھ دیجیے۔ جو اُجرت ہوگی آپکی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

عرضی نویس صاحب فرمانے لگے ''جناب! ایسی عمدگی کے ساتھ آپ کا خط لکھوں گا کہ

آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔

صادق: ۔ اسی لیے تو آپ سے لکھوا رہا ہوں ۔ ورنہ شہر میں کیا اور خط نویس نہیں تھے۔

عرضی نویس: ۔ فرمائیے۔ کس کے نام خط لکھوانا ہے؟ اور مضمون کیا ہے؟

صادق: ۔ منشی صاحب! مجھے یہ ضروری خط جناب نظام صاحب والیٔ حیدر آباد کے نام لکھوانا ہے۔ باقی رہا مضمون۔ تو میں جس طرح بتاتا جاؤں آپ لکھتے جائیں۔

اس پر عرضی نویس صاحب نے اپنے بستے میں سے ایک عمدہ کاغذ نکالا اور فرمانے لگے۔ لکھوایئے۔ کیا لکھواتے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔ منشی صاحب! لکھیئے:۔

"جنابِ والا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں آپ کو ایک نہایت ہی ضروری اور اہم اطلاع دینے کے لیے یہ عریضہ خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ محترم پوری توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ وہ اطلاع یہ ہے کہ پنجاب کے گاؤں قادیان میں آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود کا نزول ہو چکا ہے۔ جن کا اسم گرامی مرزا غلام احمد ہے۔ وہ تمام دنیا کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لانے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں داخل کرنے کے لئے خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ خدا کی جانب سے دین اسلام کی تجدید کے لئے آئے ہیں۔ پس میں ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ ان کو قبول فرمائیں اور ابدی سعادت کے وارث بنیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔ خاصا لمبا خط حضرت مفتی صاحب نے لکھوایا اور پوری تبلیغ اس میں کر دی۔ اور پھر اس خط کو جناب نظام صاحب حیدر آباد کے نام روانہ بھی کر دیا۔

عرضی نویس بڑی حیرت سے کبھی خط

کہتے ہیں۔

۲۳۔ آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ جب فونوگراف شروع شروع میں چلا ہی تھا تو ایک مشین حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ نے بھی منگوائی اس وقت اس میں آواز خود بھرنی پڑتی تھی۔ جب قادیان کے ہندوؤں نے سنا کہ نواب صاحب نے ایک ایسی مشین منگوائی ہے جو آدمی کی طرح بولتی ہے تو انھیں نہایت تعجب ہوا۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور فونوگراف کے سننے کی شدید خواہش کا اظہار بڑے اشتیاق سے کیا۔ حضور کوئی بھی موقع تبلیغ اسلام کا ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ آپ کو فوراً ایک خیال آیا۔ اور آپ نے ان ہندوؤں سے مشین سنانے کا وعدہ کر لیا۔ اور فرمایا فلاں دن آنا میں آپ صاحبان کو مشین کا گانا سنوا دوں گا۔ ہندو خوشی خوشی واپس چلے گئے اور وعدہ کے دن کا نہایت شوق سے انتظار کرنے لگے۔

ہندوؤں کے جانے کے بعد حضور نے وہ مشہور تبلیغی نظم تصنیف فرمائی جس کا پہلا شعر ہے۔

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

یہ نظم لکھ کر حضور نے حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کو دی کہ اسے فونوگراف میں بھر دیں۔ کیونکہ مولوی صاحب بے حد خوش الحان تھے۔

۲۴۔ بندر کا خیال

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ حضرت مسیح موعودؑ اس زمانہ کے پیروں کی خراب حالت کے تذکرہ میں ایک پیر کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس نے اپنے مرید کو ایک وظیفہ بتلایا اور کہا کہ یہ پڑھا کرو تمھاری ہر حاجت پوری ہو جائے گی ۔ مگر شرط یہ ہے کہ وظیفہ کے دوران بندر کا خیال نہ آئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بھی مرید وظیفہ پڑھنے بیٹھتا تو اسے بندر کا خیال ضرور آجاتا۔

یہ قصہ بیان کر کے حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہی حالت ہماری ہے۔ اگر لوگوں کو یہ بات اچھی طرح بتادی جائے کہ سورۂ فاتحہ میں ہماری نسبت زبردست پیشگوئی کی گئی ہے تو شائد لوگ ہمارے بغض کی وجہ سے سورۂ فاتحہ ہی پڑھنی چھوڑ دیں تاکہ کہیں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے ہمارا خیال نہ آجائے۔

حقیقت میں حضور کا یہ فرمانا بالکل بجا تھا۔ بغض اور عداوت میں آدمی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میرے دادا مرحوم شیخ محمد ابراہیم سے ایک صاحب کی سخت دشمنی اور عداوت تھی۔ ان صاحب نے نماز میں درود شریف پڑھنا محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ درود میں ابراہیم کا نام آتا ہے۔

۲۵۔ ایک خواب کی عجیب تعبیر

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ لاہور میں میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص جسکا کالو نام ہے۔ وہ بغیر میری اجازت کے میرے گھر میں آگیا اور میری بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے اس پر سخت غصہ آیا کہ اوّل تو اس کو میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کا کیا حق تھا۔ اور پھر یہ کتنی بیہودگی ہے کہ میری بیوی سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لکھا۔ اور تعبیر پوچھی حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ اگر آپ کی بیوی کو حمل ہے تو ضرور لڑکا پیدا ہوگا۔ ۔ کالو کے لفظ سے اس بات کی

اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عمر دیگا اور وہ بڑی عمر کو پہنچے گا۔ (حضرت مفتی صاحب کے پہلے دو ایک لڑکے فوت ہو چکے تھے)

گھر میں واقعی حمل تھا۔ اور لڑکا ہی پیدا ہوا۔ جس کا نام حضور علیہ السلام نے اسی خواب کے پیش نظر عبدالسلام رکھا۔ جو الحمدللہ اس وقت تک بقید حیات ہے۔

خوابوں کی دنیا بھی عجیب ہے۔

۲۶۔ بائبل کی تحریف

دوران قیام لندن میں ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے ''اصلاح شدہ بائبل'' پر ایک لیکچر دیا۔ حاضرین میں احمدی اور غیر احمدی۔ نومسلم انگریز۔ عیسائی اور یہودی۔ مرد اور عورت کثرت سے تھے۔ مفتی صاحب نے نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ اپنے مضمون کو بیان کیا اور حاضرین پوری دلچسپی کے ساتھ سنتے رہے۔ جب اپنی تقریر میں حضرت مفتی صاحب تحریف بائبل کے ثبوت پیش کر رہے تھے تو تقریر کرتے کرتے آپ نے ایک بڑے دلچسپ لطیفہ کو عملی رنگ دیا جس سے ساری محفل قہقہوں کے شور سے گونج اٹھی۔ حضرت مفتی صاحب نے ڈاکٹر برکات وچ سکنہ بوسنیا کو مخاطب کر کے فرمایا ''ڈاکٹر صاحب: مہربانی کر کے یہ بائبل لیں اور متی باب ۱۷ آیت ۲۱ پڑھ دیں۔''

ڈاکٹر برکات وچ نے مفتی صاحب کے ہاتھ سے انجیل لے کر اس میں سے حسب ذیل عبارت پڑھی۔ ''البتہ اس قسم کے بھوت دعا اور روزے سے نکالے جاسکتے ہیں''۔

صادق۔ بہت اچھا جزاک اللہ۔ آپ نے بالکل صحیح پڑھا۔ یہ اس بائبل کی جسے کلام اللہ کہا جاتا ہے۔ ایک آیت ہے۔

اب حضرت مفتی صاحب ایک تعلیم یافتہ مسیحی خاتون کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے ''اچھا مس ہاروے! اب آپ مہربانی فرما کر مجھ سے یہ دوسری انجیل لیں اور اس میں سے وہی آیت جو ابھی ڈاکٹر برکات وچ نے پڑھی ہے نکال کر مجمع کو سنائیں۔ یہ کہہ کر

حضرت مفتی صاحب نے ایک دوسری انجیل مس ہاروے کے ہاتھ میں دے دی جو جدید الطبع اور ترمیم شدہ تھی۔ مس ہاروے نے انجیل لے کر اس میں متی باب ۱۷۔ آیت ۲۱ بہت دیکھی۔ ادھر ادھر پلٹ کر ورق گردانی بھی کی۔ مگر بیچاری کو وہ آیت نہ ملی۔ آخر تنگ آ کر مس ہاروے نے بلند آواز سے کہا "جناب میں نے تو بہت تلاش کیا مگر مجھے تو اس میں یہ آیت کہیں ملی نہیں"۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا" آپ نے ٹھیک کہا۔ اگر ہوتی تو ضرور ملتی۔ ترمیم شدہ ایڈیشن میں یہ آیت نکال دی گئی ہے۔ اور یہ تحریف کا بیّن ثبوت ہے۔ جو حاضرین نے اس وقت دیکھا"۔

تمام حاضرین اس لطیفہ پر حیران ہو کر رہ گئے۔ اور کسی کو بھی اس کا جواب بن نہ آیا۔

متی کے باب ۱۷۔ آیت ۲۱ ہی پر موقوف نہیں انجیل کی اکثر آیتیں ایسی ہیں جو قدیم نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر پادری صاحبان نے اعتراضات سے بچنے کے لئے موجودہ شائع شدہ انجیلوں میں سے ان کو نکال دیا ہے۔ نمونۃً حضرت مفتی صاحب نے مجھے ذیل کی بعض آیتیں لکھوائی ہیں جو ۱۹۰۰ء سے پہلے کی انجیلوں میں تو موجود ہیں مگر بعد کی انجیلوں میں نہیں ہیں۔۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) متی باب ۱۸ آیت ۱۱ باب ۲۳ آیت ۱۴۔
(۲) مرقس باب ۷ آیت ۱۶۔ باب ۹ آیت ۴۴، ۴۶ باب ۱۱ آیت ۲۶۔ باب ۱۵ آیت ۲۸۔
(۳) لوقا باب ۱۷ آیت ۳۶۔ باب ۲۳۔ آیت ۱۷۔
(۴) یوحنا باب ۵۔ آیت ۴۔
(۵) اعمال باب ۵۔ آیت ۳۷۔ باب ۱۵۔ آیت ۳۴۔ باب ۲۴۔ آیت ۷۔ باب ۲۸۔ آیت ۲۹۔
(۶) رومیوں کا خط۔ باب ۱۶۔ آیت ۲۴۔
(۷) یوحنا کا پہلا خط۔ باب ۵۔ آیت ۷۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب جس میں اس قدر زیادہ تبدیلیاں اور ترمیمیں ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں اس کتاب کے مقابل پر کس طرح پیش کی جا سکتی ہے جس میں اس کے نزول سے اس وقت تک کہ ساڑھے تیرہ سو برس ہوتے ہیں ایک نقطہ اور ایک حرکت تک کا فرق نہیں پڑا۔

ان خارج شدہ آیتوں کے متعلق ایک بہت دلچسپ اور پر از معلومات مضمون حضرت مفتی صاحب نے جون ۱۹۳۰ء کے ریویو آف ریلیجنز اُردو میں شائع کر دیا تھا۔ اس کا عنوان ہے "محرف و مبدل انجیل"۔ جن صاحب کو عیسائیت سے دلچسپی ہو وہ مضمون متذکرہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

۲۷۔ فرانسیسی سادھو

جاکھو۔ شملہ میں پہاڑ کی ایک بہت بڑی چوٹی ہے۔ جب ۱۹۲۷ء میں حضرت مفتی صاحب شملہ گئے تو انھوں نے سنا کہ اس چوٹی پر ایک یورپین سادھو رہتا ہے۔ جس نے چھوٹی عمر میں کسی سادھو کا چیلا ہو کر دنیا کو ترک کر دیا تھا۔ اور تب سے اسی پہاڑ پر رہتا ہے۔ فرانسیسی نسل سے ہے۔ اور اس کے اقرباء ہندوستان میں معزز عہدوں پر ملازم ہیں۔

سادھو کے یہ حالات سن کر مفتی صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ چل کر اسے تبلیغ کرنی چاہیے۔ راستہ دشوار گزار تھا۔ رکشا بھی اوپر تک نہیں جا سکتی تھی بمشکل تمام مفتی صاحب پیدل ہی سادھو کی کٹیا تک پہنچے۔ سادھو صاحب اس وقت بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے سر پر اونی ٹوپی تھی اور بدن پر ایک میلا پرانا کرتہ۔ بالکل اہل شملہ جیسی پنجابی نما اُردو بولتے تھے۔ لب و لہجہ سے کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کبھی فرانسیسی تھے۔ رنگ بھی سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ نوے سال کی عمر تھی۔ مگر بدن مضبوط تھا۔ انگریزی بخوبی اور روانی کے ساتھ بولتے تھے۔ مفتی صاحب سے انگریزی ہی میں گفتگو ہوئی۔

صادق۔ آپ نے دنیا کو چھوڑا۔ ہر قسم کی لذتوں کو ترک کیا۔ غریبی اور فقیری کو اختیار کیا۔ اور اب عمر کی انتہا کو پہنچ گئے۔ مجھے یہ بتلائیے کہ اس تمام محنت، اس تمام ریاضت

اوراس تمام مشقت سے حاصل کیا ہوا۔ اور کون سی چیز روحانیت کی آپ کو دوسروں سے زیادہ مل گئی؟

سادھو۔ میں کچھ بتلا نہیں سکتا۔ یہ معاملہ عشق و محبت کا ہے۔ عاشق اپنے عشق کو ظاہر نہیں کرسکتا۔ اکثر معشوق کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ عاشق کیا کچھ اس کی خاطر محسوس کر رہا ہے۔

صادق۔ اچھا اگر آپ یہ نہیں بتلا سکتے تو کم از کم یہ تو بتلائیں کہ جب آپ بچپن میں فرانس میں سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ تو اس وقت آپ نے بائبل بھی ضرور پڑھی ہوگی اور میرا خیال ہے کہ آپ اسے بھولے نہیں ہوں گے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ بعض اصحاب نے روحانیت میں اتنی ترقی کی کہ خدا ان سے ہم کلام ہوا۔ اور رُو در رُو ہو کر اس نے اپنے ان پیاروں سے بات چیت کی۔ آپ نے اپنے گرو کی ہدایت اور تعلیم کے مطابق دنیا کو ترک کر دیا۔ اور اتنا طول طویل زمانہ ریاضت اور عبادت میں گزارا اور گزار رہے ہیں۔ کیا آپ سے بھی کبھی خدا بولا اور اپنی رضامندی کا اظہار اس نے آپ پر کیا؟

سادھو۔ (ہنس کر) نہیں۔ ایسی بات اب ممکن نہیں۔ اور اب کوئی شخص خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل نہیں کرسکتا۔ اگلے زمانہ کے رشی، اوتار اور پیغمبر بے شک ایسے ہوئے ہیں کہ خدا ان سے بولتا تھا۔ مگر اب کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

صادق۔ سادھو جی! آپ ایسی بات نہ کہیں۔ خدا پہلے بھی بولتا تھا اب بھی بولتا ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ بولتا رہے گا۔ میں خود خدا کے ایک رسول کی پاک صحبت میں عرصہ تک رہا ہوں جس سے خدا بولا کرتا تھا۔ چنانچہ صدہا پیشگوئیاں جو اس نبی نے خدا سے خبر پا کر کیں صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ اور یہی پیش گوئیاں اس کی صداقت کا ثبوت ہیں۔

سادھو۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی یہ بات مان لی کہ خدا پہلے بھی بولتا تھا اور اب بھی بولتا ہے مجھے بھی بعض خوابیں ایسی آئی ہیں جو صفائی کے ساتھ ہو بہو پوری ہوئیں۔ اس وقت تو نہیں۔ پھر کبھی آپ کا آنا ہوا تو سناؤں گا۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے سادھو صاحب کو حضرت مسیح موعود کے ظہور کی اطلاع دی۔ کچھ تبلیغی لٹریچر انگریزی میں انکو دیا۔ سلسلہ کی کچھ اور باتیں انکو بتائیں اور پھر ان سے رخصت ہو کر چلے آئے۔

چلتے ہوئے سادھو صاحب کہنے لگے کہ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ آپ کبھی کبھی مجھے خط ضرور لکھتے رہیں۔ اور قادیان پہنچ کر حضرت صاحب کی کوئی انگریزی کتاب مجھے مطالعہ کے لیے بھیجیں۔ یہ سادھو صاحب ۱۹۳۰ء میں انتقال کر گئے۔ ان کا فرانسیسی نام مسٹر سٹوک اور ہندوستانی نام سوامی سیتا نند تھا۔

۲۸۔ امریکہ میں داخلہ کی کہانی

انگلستان میں نہایت کامیابی اور عمدگی سے تبلیغ اسلام کے فرائض بجالانے کے بعد جب حضرت مفتی صاحب امریکہ تشریف لے گئے تو جہاز سے اُترتے ہی محکمہ امیگریشن کے افسروں سے واسطہ پڑا۔ انھوں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا:۔

افسر۔ آپ کا نام کیا ہے اور آپ کون ہیں؟

صادق۔ میرا نام محمد صادق ہے۔ میں مسلمان ہوں اور ہندوستان کا باشندہ ہوں۔

افسر۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

صادق۔ میں پہلے ہندوستان سے انگلستان آیا اور وہاں سے یہاں آیا ہوں۔

افسر۔ یہاں آپ کیوں آئے ہیں؟

صادق۔ تبلیغ اسلام کرنے کے لیے۔

افسر۔ آپ کونسی الہامی کتاب کو ماننے والے ہیں؟

صادق۔ قرآن مجید کو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

افسر۔ اس میں تو چار تک بیویاں کرنے کا حکم ہے۔

صادق۔ حکم نہیں۔ اجازت ہے۔

افسر۔ پھر آپ اس ہمارے ملک میں بھی لوگوں کو یہی تعلیم دیں گے کہ چار بیویاں کرو۔

صادق۔ تعلیم دینے کے لیے اور بہت سی باتیں ہیں جو چار بیویاں کرنے سے بھی بہت زیادہ ضروری اور اہم ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک اکیلے اور واحد خدا کی پرستش کرو۔ کسی کو اس کا شریک، ساجھی اور ہمسر نہ بناؤ کسی کو خدا کا بیٹا نہ بناؤ کسی انسان کو خدا نہ سمجھو۔ رہ گئی چار بیویوں والی بات تو ہمارے مذہب میں ایک شخص ایک بیوی کر کے بھی ایسا ہی سچا اور پکا مسلمان رہتا ہے جیسا چار بیویاں کرنے پر۔ ہمارا مذہب ہرگز یہ بات نہیں کہتا کہ ضرور ہی چار بیویاں کرو۔ بلکہ محض اس کی اجازت دیتا ہے کہ اگر حالات کا اقتضاء ہو تو دو تین چار بیویاں کرسکتے ہو۔ بشرطیکہ ان میں عدل وانصاف پورا قائم رکھو۔ چار بیویاں کرنے کا مسئلہ نہیں ہے جس پر ایمان اور اسلام کی بنیاد ہو۔ اور جس کے بغیر آدمی مسلمان ہی نہ ہوسکتا ہو۔ تمام دُنیائے اسلام میں لاکھوں ایسے انسان ہیں جو صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کررہے ہیں۔ دو بیویاں کرنے والے نسبتاً کم تعداد میں ہیں اور تین یا چار بیویاں کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں۔ اگر یہ حکم اسلام میں ضروری ہوتا تو پھر ہر مسلمان کے لازماً چار بیویاں ہوتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

افسر۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ ہم آپکو اپنے ملک میں رہنے کی اور تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ آپ فوراً واپس چلے جائیں۔

صادق۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے امریکہ میں تبلیغ کرنی اور لوگوں کو مسلمان بنانا ہے۔ پھر کس طرح واپس چلا جاؤں۔

افسر۔ اچھا اگر آپ واپس جانا نہیں چاہتے تو آپ کو نظر بند رہنا پڑیگا۔ ہم آپ کے متعلق افسران بالا کو رپورٹ کرتے ہیں وہاں سے جیسا حکم آئیگا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

صادق۔ مجھے یہ بات منظور ہے۔ مگر میں واپس نہیں جاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد ان لوگوں نے حضرت مفتی صاحب کو ایک مکان میں بند کردیا۔ جس کے باہر نکلنے کی ممانعت تھی۔ مگر چھت پر ٹہل سکتے تھے۔ اس کا دروازہ دن میں صرف دو مرتبہ کھلتا تھا۔ جبکہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔

اس مکان میں کچھ یورپین بھی نظر بند تھے۔ جو عموماً نوجوان تھے اور پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک کے لیے نظر بند کردیے گئے تھے جب تک حکام کی طرف سے ان کے متعلق کوئی فیصلہ ہو۔ یہ لوگ حضرت مفتی صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے لیے نماز پڑھنے کی جگہ بھی انھوں نے بنادی تھی۔ اور برابر خدمت کرتے تھے۔

موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مفتی صاحب نے ان نوجوانوں کو تبلیغ کرنی شروع کردی۔ جس کا نتیجہ الحمدللہ بڑا اچھا نکلا یعنی ایک ایک دو کر کے پندرہ آدمی مسلمان ہوگئے۔

جب محکمہ کے افسر کو اس بات کا پتہ لگا تو وہ بڑا گھبرایا۔ اور سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اس طرح تو یہ آہستہ آہستہ سارے نظر بند نوجوانوں کو مسلمان کرلے گا۔ اور جب شہر کے پادری صاحبان کو اس کا علم ہوگا تو وہ سخت ناراض ہوں گے۔ اور شہر کی ساری پبلک کو میرے خلاف کردیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں آئندہ انتخاب میں کامیاب نہیں ہوسکوں گا۔

اس نے خیال کیا کہ اب خیر اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے اس شخص کو یہاں سے نکالنا چاہیے۔ ورنہ بدنامی بھی ہوگی اور نقصان بھی۔

اس پر اس نے فوراً افسران اعلیٰ کو تار دیئے کہ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو اس شخص کو جو ہندوستان سے آیا ہے اندرون ملک میں داخل ہونے کا فیصلہ کردیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حکام نے یہی فیصلہ کیا کہ مسٹر صادق کے داخلہ امریکہ میں کوئی ہرج نہیں۔ انھیں چھوڑ دیا جائے۔

افسر متعلقہ نے اس حکم کی تعمیل میں ایک منٹ کی بھی دیر نہ لگائی۔ حضرت مفتی صاحب کو فوراً رہا کردیا۔

خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور طاقتیں عجیب ہیں۔

۲۹۔ مسیح آسمان سے کس طرح اتریں گے؟

۱۹۲۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز چند خدام کے ساتھ بعض قومی اغراض کی خاطر گورنمنٹ ہند کے گرمائی صدر مقام شملہ تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کو بھی ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ وہاں مختلف قومی خدمات کی انجام دہی میں مفتی صاحب کو بہت زیادہ مصروف رہنا پڑا۔ ایک دن تھوڑی سی فرصت نکال کر رومن کیتھولک چرچ کے لاٹ پادری صاحب کے پاس پہنچے۔ پادری صاحب اخلاق سے پیش آئے۔ کچھ رسمی اور ابتدائی گفتگو کے بعد حضرت مفتی صاحب نے پوچھا

صادق۔ پادری صاحب! آپ یسوع کے زمانہ کی تاریخ سے یقیناً خوب واقف ہوں گے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتا سکتے ہیں کہ جب یسوع نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو اس دعوے کو سن کر یہود نے کیا جواب دیا؟

پادری صاحب۔ انھوں نے کہا ہم نہیں مانتے۔

صادق۔ آخر انھوں نے ایسا کیوں کہا؟

پادری صاحب۔ مسیح کو وہ لوگ ظاہری رنگ میں بادشاہ دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ ایسا نہ تھا اس لیے انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا تو جھوٹا ہے۔

صادق۔ بے شک ان کا جواب نہایت نامناسب اور کافرانہ تھا۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتلا سکتے ہیں کہ یہ خبر پا کر آنے والا مسیح آ گیا ہے آپ کی رائے میں ان کو کیا جواب دینا چاہیے تھا؟

پادری صاحب۔ اُن کو فوراً کہنا چاہیے تھا کہ ہم آپ پر ایمان لائے ۔ کیونکہ ایمان میں ہی نجات ہے۔

صادق۔ بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ لیکن ایک بات تو بتلائیے اگر میں آپ کو خبر دوں کہ جس مسیح کے آنے کا اس وقت پھر آپ کو انتظار ہے وہ مسیح آ گیا ہے تو آپ کیا جواب دیں گے؟

پادری صاحب۔ (ہنس کر) میں کیا جواب دوں گا؟ میں ایسے مدعی سے کہوں گا کہ ثبوت پیش کرو۔ بغیر ثبوت کے میں کیونکر مان لوں کہ تم ہی آنے والے مسیح ہو۔

صادق۔ بے شک آپ کا حق ہے کہ آپ ثبوت مانگیں۔ مگر یہود کے متعلق آپ نے نہ فرمایا کہ انہیں کہنا چاہیے تھا کہ ثبوت لاؤ ان کے متعلق تو آپ نے یہی رائے دی کہ دعویٰ سنتے ہی ان کو فوراً مان لینا چاہیے تھا۔

پادری صاحب۔ ہاں بے شک میں نے ایسا کہا مگر اس میں کچھ حرج نہ ہوتا اگر وہ لوگ مسیح سے ثبوت طلب کرتے۔

صادق۔ اچھا آرچ بشپ صاحب! اب میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آنے والا مسیح آ گیا ہے۔ آپ کو چاہیے اسے قبول کریں۔ وہ غلام احمد کے نام سے قادیان میں مبعوث ہوا ہے۔ میں نے اسے سچا اور راست باز پایا اور اسے مان لیا اور برسوں اس کی پاک صحبت میں رہا ہوں اس نے بکثرت نشانات پیش گوئیوں میں، بیماروں کو تندرست کرنے میں، مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے، دعا کی قبولیت میں، اپنی اور اپنے دوستوں کی کامیابی میں، اپنے مخالف اور دشمنوں کی ناکامی میں، علمی تحریروں میں عقلی دلائل میں، دنیا کو دکھائے اور اپنا کام پورا کر کے خدا کے پاس واپس چلا گیا۔

پادری صاحب۔ مجھے ان نشانات کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف ایک ہی نشان کافی ہے اور وہ یہ کہ خداوند آسمان پر بیٹھا ہوا ہے اور آسمان ہی سے نازل ہوگا۔ اسے زمین پر اُترتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور فوراً اسے مان لیں گے۔

صادق۔ پادری صاحب! آپ بخوبی واقف ہیں اور ساری دنیا اس بات کو مانتی ہے کہ زمین گول ہے اس لئے ایک ہی وقت میں سب جگہ کے لوگ مسیح کو آسمان سے اُترتا ہوا کسطرح دیکھ سکیں گے؟ اور ایشیا میں اترا تو امریکہ والے اسے کیسے دیکھیں گے اور مانیں گے؟ امریکہ اور ایشیا کے سوال کو چھوڑیئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ صرف ایک ملک کے تمام باشندے بیک وقت اسے آسمان سے اترتا دیکھ سکیں۔ اور جب ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے اُترتا ہوا نہ دیکھا تو پھر محض لوگوں کے کہنے سے ہم اس پر کس طرح ایمان لا سکیں

گے؟ مہربانی کر کے اس سوال کو حل کیجیے اور مجھے سمجھائیے۔

پادری صاحب۔ بے شک یہ بہت مشکل سوال ہے اور بہت غور چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر پادری صاحب نے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ مگر دل ہی دل میں مفتی صاحب کے سوال کا جواب سوچتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یکدم کہنے لگے ''مجھے آپ کے سوال کا جواب آ گیا ہے سنیئے! آپ نے ٹھیک کہا کہ انسان کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ بیک وقت سب جگہ اور تمام دنیا میں نمودار ہو سکے۔ لیکن مسیح کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہے اور خدا کے لیے یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ معجزانہ طور پر ہر جگہ بیک وقت نمودار ہو سکے۔ اور ساری دنیا کے آدمی اسے دیکھ سکیں۔ یورپ والوں کو بھی وہ نظر آ جائے۔ افریقہ میں بھی وہ ظاہر ہو جائے۔ امریکہ میں بھی وہ دکھائی دے اور ایشیا والے بھی اس کی زیارت کر لیں۔

یہ کہہ کر فوراً پادری صاحب فرمانے لگے ''میں آپ سے معافی چاہتا ہوں مجھے زیادہ فرصت نہیں۔ اب آپ رخصت ہوں۔''

بات یہ ہے کہ خود پادری صاحب کو اپنے جواب کی کمزوری کا علم تھا۔ اسلیئے فوراً ہی گفتگو کو ختم کر دیا تا کہ مفتی صاحب آگے سے کچھ نہ بول سکیں۔ اور وہ سمجھ لیں کہ میں نے بات کا جواب دے دیا۔ حالانکہ بات بالکل لغو تھی۔ خدا تو اب بھی ہر جگہ ہے اور ہر جگہ پاک لوگوں پر نمودار ہوتا ہے اور نمودار ہوتا رہے گا۔ اس میں خاص وقت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وہ نہ صلیب دیا گیا۔ نہ جی اٹھا۔ نہ آسمان پر گیا۔ وہ تو پہلے ہی سے آسمان و زمین دونوں جگہ موجود ہے سوال تو صرف یسوع کے متعلق تھا وہ ہر جگہ بیک وقت کس طرح نظر آ سکتا ہے۔ مگر پادری صاحب نے یہ جواب دینے کا مفتی صاحب کو موقع ہی نہ دیا اور جلدی سے اندر

تھے تو ان کے مکان کے قریب ہی ایک انگریز تاجر رہتے تھے۔ ہمسایہ ہونیکی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کو زیادہ موقعے اس بات کے ملتے تھے کہ وہ ان کو وقتاً فوقتاً تبلیغ کرتے رہیں۔ ایک روز اثنائے گفتگو میں وہ تاجر صاحب حضرت مفتی صاحب سے پوچھنے لگے کہ آپ کون سی شراب استعمال کیا کرتے ہیں؟''

صادق۔ ہم لوگ شراب بالکل نہیں پیتے۔ کیونکہ اسلام میں یہ جائز نہیں۔

تاجر۔ اچھا یہ بات ہے تو آپ یہ کام کیا کریں کہ بیئر (Beer) پی لیا کریں۔ یہ بہت ہلکی شراب ہے۔ اور آپ کے لیے موزوں رہے گی۔ ایسی ہلکی شراب پی لینے میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ انگلستان میں سردی کی شدت کی وجہ سے شراب پینا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر آدمی رہ نہیں سکتا۔

صادق۔ ہلکی اور تیز معمولی اور اعلیٰ کا سوال نہیں۔ ہر قسم کی شراب ہمارے مذہب میں قطعی طور پر حرام ہے۔ ہم نہ بیئر پیتے ہیں نہ کچھ اور۔

تاجر۔ اچھا تو آپ نے ساری عمر میں کبھی شراب نہیں پی؟

صادق۔ ہاں میں نے کبھی ایک قطرہ بھی شراب کا نہیں چکھا۔

تاجر۔ (حیران ہوکر) جب آپ شراب نہیں پیتے تو پھر آخر کیا پیتے ہیں؟

صادق۔ پانی۔

تاجر۔ (حیرانگی کے ساتھ) صرف پانی!

صادق۔ ہاں صرف پانی۔

تاجر۔ (سنجیدگی کے ساتھ) میں آپ کو نہایت خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہوں کہ اس ملک میں پانی سخت مضر اور نہایت درجہ نقصان دہ بلکہ خطرناک ہے۔ میرے باپ نے ساری عمر بھر میں صرف ایک دفعہ پانی پی لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی دن مر گیا۔ میں نے ساری زندگی میں ایک دفعہ بھی پانی نہیں پیا۔

صادق۔ ہم تو ہر روز دن میں کئی کئی مرتبہ پانی پیتے ہیں۔ اور دیکھ لو آپ کے سامنے خدا ... فضل ... ت موجود ہیں۔

اس پر تاجر صاحب نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور کچھ چُپ سے ہو گئے۔

۳۱۔ ایک سوتے ہوئے شخص کو تبلیغ

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب احمد آباد گئے۔ وہاں ایک گلی میں سے گذر رہے تھے کہ ایک مسجد دکھائی دی۔ حضرت مفتی صاحب اس کے اندر چلے گئے۔ تیسرے پہر کا وقت تھا۔ مسجد میں ایک صاحب معقول صورت اچھے کپڑے پہنے ہوئے پڑے سو رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا دل چاہا کہ اس سوتے ہوئے شخص کو تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ سوچ کر آپ نے اسے جھنجھوڑا فرمایا میاں یہ سونے کا وقت ہے؟ اٹھو۔ دیکھو حضرت امام مہدی علیہ السلام تشریف لے آئے۔ دنیا جاگ گئی مگر تم ابھی تک سو ہی رہے ہو۔

معلوم ہوتا ہے وہ شخص بہت ہی بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے جھنجھوڑنے اور پیغام پہنچانے سے کچھ یونہی سا بیدار ہوا۔ اور نیند ہی کے دوران میں کہنے لگا ''اچھا امام مہدی آ گئے۔ اچھی بات ہے۔'' اور یہ کہہ کر پھر بے خبر پڑ کر سو رہا۔ حضرت مفتی صاحب نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ اور کہا میاں کیا سو رہے ہو اٹھو حضرت مسیح موعود تشریف لے آئے ''نیند ہی کی حالت میں وہ کہنے لگا ''اچھا مسیح موعود آ گئے بہت اچھا ہوا۔'' اور پھر سو گیا۔ تیسری مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے اسے پھر جگایا۔ میاں سونے سے کیا بنے گا۔ اٹھو دیکھو اس زمانہ کا مجدد آ گیا اور تم غافل پڑے سو رہے ہو۔ وہ نیند ہی کی حالت میں کہنے لگا بڑی اچھی بات ہے بہت اچھا۔ رات کو نیند نہیں آئی تھی۔ بہت نیند آ رہی ہے۔ یہ کہا اور پھر غافل سو گیا۔ جب مفتی صاحب نے دیکھا کہ کسی طرح اٹھتا ہی نہیں۔ تو مجبوراً اسے سوتا چھوڑ کر چلے آئے۔

۳۲۔ ایک اہم سوال کا معقول جواب

حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک نہایت دلچسپ مناظرہ کا حال اپنی ایک

یادداشت میں قلمبند فرمایا ہے۔ جو انہی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

''پچھلی جنگ یورپ کا واقعہ ہے کہ ۱۹۱۷ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے لندن میں ایک لیکچر دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے بطور خود جرمن پر حملہ نہیں کیا بلکہ حملہ اس کی طرف سے ہوا۔ ہم تو صرف اپنے بچاؤ کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر ہماری قوم کے لیے اس جنگ میں شریک ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ انہی ایام میں ایک پادری جو میرے ساتھ عموماً مذہبی مناظرات کیا کرتا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ کیا آپ مذہب اسلام میں کوئی ایسی خوبی بتلا سکتے ہیں۔ جو عیسائی مذہب میں نہ پائی جاتی ہو؟ میں نے کہا ''یقیناً میں بڑی آسانی سے آپ کو اسلام کی ایسی خوبی بتلا سکتا ہوں۔ سنیے ! کیا آپ نے لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان کا وہ لیکچر نہیں سنا۔ جس میں انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزوں کے لیے جرمنی کے خلاف جنگ کرنا اس لیے جائز اور ضروری ہے کہ وہ کسی پر از خود حملہ نہیں کر رہے۔ بلکہ ان پر جو حملہ ہوا ہے اس کی مدافعت کر رہے ہیں۔

میں نے اس پادری سے کہا کہ اب آپ ذرا اس معاملہ کو اپنے یسوع مسیح کے سامنے پیش کریں اور اس سے پوچھیں کہ ''بابا یسوع! جرمن ہم پر خود حملہ کر کے آیا اور ہمیں تباہ اور غارت کر دینا چاہا۔ اب ہم کیا کریں؟'' بابا یسوع کہتا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ اگر کوئی تیرا کوٹ مانگتا ہے تو کرتہ بھی اتار کر اسے دیدے۔ اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو تو دو کوس چلا جا۔ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا بھی آگے کر دے۔

پس انگریز اور ان کے اتحادی اگر یسوع کی تعلیم پر عمل کرتے تو ان کو چاہیے تھا کہ جرمنوں نے جس وقت ان پر حملہ کیا تھا تو ان سے کہتے کہ اگر تم بلجیم مانگتے ہو تو شوق سے لے لو بلکہ اس کے ساتھ فرانس بھی لے لو۔ اگر فرانس چاہتے ہو تو اس کے ساتھ انگلستان بھی لے لو۔ لیکن انگریزوں نے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ ان کو اس موقع پر یسوع کی تعلیم ناقص معلوم ہوئی۔ اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو انھوں نے اس بارہ میں زیادہ عمدہ اور واجب العمل پایا اور اسی کو اختیار کیا۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم اس معاملہ میں یہ

ہے کہ تم خود کسی پر حملہ نہ کرو لیکن اگر کوئی تم پر حملہ کرتا ہے تو بے شک اپنا بچاؤ کرو۔ پس آپ کو اور تمام عیسائی دنیا کو تسلیم کرنا چاہیے کہ کم از کم اس معاملہ میں آپ لوگوں کا طریق عمل اسلام کے موافق ہے نہ کہ عیسائیت کے مطابق۔

میرا خیال ہے کہ میں نے بہت اچھی طرح سے آپ کی بات کا جواب دیدیا ہے اور آپ کی خدمت میں کم از کم ایک خوبی ایسی پیش کر دی ہے جو اسلام میں ہے مگر عیسائیت میں نہیں پائی جاتی۔

میری اس گفتگو کو سن کر وہ پادری کہنے لگا کہ بے شک آپ کی یہ دلیل زبردست ہے۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ جو خوبی اس وقت آپ نے اسلام میں بتائی ہے عیسائیت کا دامن اس سے خالی ہے''۔

۳۳۔ ایک دہریہ سے دلچسپ گفتگو

لندن کے قیام کے دوران ایک دن ایک بڑا دلچسپ مباحثہ حضرت مفتی صاحب کا ایک دہریہ سے خدا کی ہستی کے متعلق ہوا۔ جسکی پر لطف کیفیت انہی کے الفاظ میں ہدیہ ناظرین ہے:۔

لندن کے وسط میں ہائیڈ پارک کے نام سے ایک بہت بڑا باغیچہ دو تین میل میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں لوگ شام کے وقت سیر و تفریح کے لیے بہت کثرت سے جاتے ہیں۔ اور ایک بڑا بھاری میلا سا لگا رہتا ہے۔ اس انبوہ اور مجمع سے فائدہ اٹھا کر اکثر پادری، مقرر اور لیڈر وہاں کھڑے ہو کر مذہبی، علمی اور سیاسی تقریریں کیا کرتے ہیں۔ اور لوگ کھڑے کھڑے ان کو شوق اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ سامعین میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو تقریروں پر اعتراض کرتے ہیں۔ یا کوئی نیا مسئلہ پیش کر کے اسے سمجھنا چاہتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد محض تفریحاً لیکچرار یا واعظ کو تنگ کرنا ہوتا ہے اور بس۔ میں بھی اکثر سیر کرنے یا تبلیغ کرنے اس سیر گاہ میں چلا جایا کرتا تھا۔ ایک پادری صاحب تھے ان سے میری شناسائی ہو گئی تھی۔ وہ بھی وہاں آیا کرتے تھے اور عیسائیت کی تبلیغ کے متعلق

لیکچر دیا کرتے تھے۔ میری بھی اکثر ان سے مختلف مسائل پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن جو میں وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی پادری صاحب کھڑے ہیں اور ان کے گرد لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہے اور بڑا شور و غل مچ رہا ہے۔ پادری صاحب لمبے قد کے آدمی تھے اور مجمع میں کھڑے ہوئے نمایاں نظر آتے تھے۔ انھیں پہچان کر میں آگے بڑھا اور مجمع میں گھس کر معلوم کرنا چاہا کہ کیا واقعہ ہے؟ پتہ لگا کہ یہ سارے کے سارے دہریے ہیں اور انھوں نے اپنے منطقی سوالوں سے پادری صاحب کا ناک میں دم کر رکھا ہے اور بیچارے بہت ہی پریشان ہو رہے ہیں۔ نہ بھاگتے بن پڑتی ہے نہ کھڑا رہنا ممکن ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگرچہ پادری صاحب ہمارے سخت مخالف ہیں۔ مگر جو لوگ اس وقت ان کو تنگ کر رہے ہیں۔ وہ جیسے ان کے دشمن ہیں ویسے ہی ہمارے بھی دشمن ہیں۔ لہذا ایسے وقت میں ضرور پادری صاحب کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ خیال کر کے میں بھیڑ میں گھسا اور بلند آواز سے پادری صاحب کی حمایت میں چند الفاظ کہے۔

جب پادری صاحب نے مجھے دیکھا تو فوراً آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور دہریوں کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ ''دیکھو تم لوگ اتنی دیر سے ناحق مجھے تنگ کر رہے ہو۔ اگر تم میں مناظرہ کی طاقت ہے تو اس شخص سے مناظرہ کرو۔ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا عالم ہے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے ہندوستان سے یہاں آیا ہوا ہے''۔

یہ کہہ کر پادری صاحب خود پیچھے ہٹ گئے اور مجھے ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔

دہریوں کا جو غول وہاں جمع تھا انکو اس سے کیا غرض تھی کہ کوئی عیسائیت کا مشنری ہے یا اسلام کا مبلغ۔ انھیں تو تفریح طبع کے لیے ایک آدمی چاہیے تھا۔ پادری صاحب کا پیچھا چھوڑ کر میرے سر ہو گئے۔ اور کہنے لگے ''آئیے صاحب آئیے۔ ہم بڑی خوشی کے ساتھ آپ سے بحث کرنے کو تیار ہیں۔'' اور اس کے بعد مجمع میں سے ہر شخص اپنی اپنی بولیاں بولنے لگا۔

میں نے کہا ''آپ مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ لیکن آپ نے اس وقت یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ ہر شخص بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھ اکیلے کے لیے یہ کس طرح ممکن

ہے بیک وقت سب کو جواب دے سکوں۔ آپ لوگ اگر سنجیدگی اور معقولیت سے بحث چاہتے ہیں تو اس کی صحیح اور درست شکل یہ ہے کہ آپ باہم مشورہ کرکے اپنے میں سے ایک شخص منتخب کرلیں جو مجھ سے بحث کرے۔ باقی سب لوگ خاموشی کے ساتھ ہم دونوں کی گفتگو سنتے رہیں۔''

اس پر وہ لوگ کہنے لگے ''ہاں یہ ٹھیک بات ہے۔'' یہ کہہ کر انھوں نے بحث کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک ہوشیار شخص کو آگے کردیا۔ میں نے اس سے پوچھا

صادق۔ کیا آپ ان سب لوگوں کے نمائندہ ہیں جو اس وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں؟

دہریہ۔ جی ہاں! سارے مجمع نے مجھے ہی آپ سے بحث کرنے کے لیے انتخاب کیا ہے۔

صادق۔ اچھا تو فرمائیے۔ آپ کا سوال کیا ہے؟

دہریہ۔ کیا آپ مانتے ہے کہ کوئی خدا ہے؟

صادق۔ بے شک میں مانتا ہوں اور دل سے یقین کرتا ہوں کہ خدا ہے۔

دہریہ۔ اگر آپ خدا کے وجود کے قائل ہیں تو پھر مہربانی فرما کر مجھے خدا کو دکھا دیجیے۔ تا کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ کر آپ کی بات کا یقین کروں۔

صادق۔ کیا آپ بغیر اپنی آنکھ سے دیکھے کسی بات کو نہیں مانا کرتے؟

دہریہ۔ ہرگز نہیں۔ میں کسی ایسی ہستی کے وجود کو کبھی بھی نہیں مان سکتا جس کو خود نہ دیکھ لوں۔

صادق۔ کیا آپ اپنی اس بات پر قائم رہیں گے؟

دہریہ۔ یقیناً ہمیشہ قائم رہوں گا۔ بغیر آنکھ سے دیکھے میں کسی چیز کو ہرگز نہیں مان سکتا۔

صادق۔ میں ہندوستانی ہوں اور ہندوستان سے آیا ہوں۔ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ ہندوستان ایک ملک ہے جو میں نے دیکھا ہے مگر آپ نے نہیں دیکھا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔

دہریہ۔ ہاں میں مانتا ہوں کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔ مگر اس لیے نہیں کہ آپ کہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ سینکڑوں لوگ یہاں سے ہندوستان گئے اور اسے دیکھ کر آئے اور انھوں نے ہمیں بتلایا کہ ہندوستان ایک ملک ہے۔

صادق۔ اچھا تو آپ اپنی پہلی دلیل پر قائم نہ رہے۔ پہلے تو آپ یہ فرمارہے تھے کہ میں ہرگز ایسی چیز کو نہیں مان سکتا جسے میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ لیکن اب آپ اس دلیل سے نیچے اتر آئے ہیں اور آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ جس چیز کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا ہو اسے بھی مان لینا چاہیے۔

دہریہ۔ بے شک میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اپنی پہلی بات پر قائم نہیں رہا۔

صادق۔ اُمید ہے کہ اب آپ دوسری بات پر بھی قائم نہیں رہیں گے۔ اوّل تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ آپ خدا کے منکر ہیں۔ اس لیے آپ بے ساختہ جھوٹ بول جاتے ہیں۔ اور آپ کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

دہریہ۔ (حیرت کے ساتھ) میں نے کیا جھوٹ بولا؟

صادق۔ سنیئے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی انگلستان سے ہندوستان ہو آئے ہیں۔ لیکن میں یہ کبھی ماننے کے لیے تیار نہیں کہ وہ تمام کے تمام آپ کو بتا گئے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے اور ہم اسے دیکھ کر آئے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے۔ لیکن خیر میں اس بات کو جانے دیتا ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کیے لیتا ہوں کہ ہندوستان

سے آنے والے ہر شخص نے آکر آپ کو ہندوستان کی خبر دی۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے اس امر پر غور فرمائیں کہ ہندوستان جانے والے اور وہاں سے واپس آکر آپ کو اس کے متعلق بتلانے والے عموماً ایسے افراد اور اشخاص تھے جن سے آپ ذاتی طور پر واقف نہیں۔ نہ آپکو یہ پتہ ہے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ معتبر ہیں یا غیر معتبر لیکن ان کے بالمقابل میں آپ کے سامنے مختلف ملکوں۔ مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کے ایسے صدہا انبیاء، اولیاء اور بزرگ اصحاب کے نام پیش کر سکتا ہوں جن کے متعلق دوست تو دوست دشمن اور مخالف بھی گواہی دیتے ہیں کہ وہ سچے راستباز اور نہایت نیک لوگ ہیں اور یہ نیک لوگ بڑے زور سے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے خدا کو دیکھا اور اس سے ہم کلام ہوئے اب ذرا انصافاً غور فرمایئے کہ اگر آپ ہندوستان کی بابت ایسے لوگوں کی گواہی قبول کر لیتے ہیں جن سے آپ قطعاً ناواقف ہیں تو کیا ایسے نیک صالح اور راستباز لوگوں کی گواہی خدا کے متعلق قابل قبول نہیں ہو سکتی؟۔

دہریہ۔ میں ان کی گواہی اس لیے قبول نہیں کر سکتا کہ وہ لوگ مجھے خدا کو دکھا نہیں سکتے اور نہ میں خود اسے دیکھ سکتا ہوں برخلاف اس کہ اگر میں ہندوستان کو دیکھنا چاہوں تو خود جا کر دیکھ سکتا ہوں۔ اس واسطے ان ناواقفوں کی گواہی کو میں نے قبول کر لیا۔

صادق۔ اب آپ نے اپنی دوسری دلیل بھی چھوڑ دی۔ اور اس سے نیچے اتر آئے کہ سینکڑوں آدمیوں کی بات بھی اس وقت قابل قبول ہو سکتی ہے جبکہ آپ خود جا کر اس چیز کو دیکھ لیں۔

دہریہ۔ ہاں یہ ضروری ہے۔

صادق۔ اچھا تو آپ بتلایئے کہ ہندوستان آپ کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

دہریہ۔ اگر میں ٹامس گک کمپنی کے پاس جاؤں اور ہندوستان کا ٹکٹ خریدوں اور پھر جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان چلا جاؤں تو ہندوستان دیکھ کر آ سکتا ہوں۔

صادق۔ تو ہندوستان دیکھنے کے لیے آپ کو اپنی ملازمت سے کم از کم تین ماہ کی رخصت لینی پڑیگی اور اندازاً دو ہزار روپیہ کا انتظام کرنا ہوگا اور سفر کے لیئے کمپنی کی ہدایات

پر کار بند ہونا پڑیگا۔

دہریہ۔ بے شک یہ سب باتیں کرنی پڑیں گی۔

صادق۔ کیا آپ خدا کو دیکھنے کے واسطے کم از کم اتنا بھی وقت اور روپیہ لگانے کیلیئے تیار نہیں جس قدر آپ کو ہندوستان دیکھنے کے لیے خرچ کرنا پڑے گا۔ آپ اپنے کاروبار سے تین مہینے کی رخصت حاصل کر لیں اور دو ہزار روپے لے آئیں اور ٹامس گک کی بجائے میری ہدایات پر عمل کریں اور تین ماہ میرے پاس رہیں اس عرصہ میں اگر آپ خدا کو نہ دیکھ سکیں تو بجائے دو ہزار کے چار ہزار روپیہ میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ آپ ایسا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ سوچ کر جواب دیں۔

میں نے اس دہریہ سے یہ بات نہایت سچے دل کے ساتھ کہی تھی میرا یقین تھا کہ اگر وہ تین مہینے تک ہماری صحبت میں رہے گا اور ہماری ہدایات کے مطابق کتابوں کا مطالعہ کرے گا تو ہم اس کے لیے دعا کریں گے احباب سے کروائیں گے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کے حضور دعا کے لیئے لکھیں گے تو یقین ہے کہ وہ ضرور اس عرصہ میں خدا کو دیکھ لے گا۔ اور اس کی ہستی کا قائل ہو جائیگا۔

مگر میری اس بات پر دہریہ ہنسا اور کہنے لگا افسوس میرے حالات ایسے نہیں کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آکر رہنے لگوں۔ اور تین مہینے کا عرصہ اس طرح گذاروں۔ لیکن ناانصافی ہوگی اگر میں علی الاعلان اس بات کا اظہار نہ کروں کہ آپ کے دلائل زبردست ہیں اور کم از کم میں ان کو نہیں توڑ سکتا۔

۳۴۔ ابوموسیٰ سے ملاقات

جب ۱۹۱۴ء میں حضرت مفتی صاحب بغرض تبلیغ کلکتہ میں مقیم تھے تو ایک دن کوئی مولوی صاحب مفتی صاحب سے راہ میں ملے۔ دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ ایک لطیفہ کا رنگ رکھتی ہے۔ اس لیے نذر ناظرین ہے:۔

صادق۔ جناب کا اسم مبارک؟

مولوی صاحب ۔ابو موسیٰ۔

صادق ۔خوب! عجیب نام ہے۔مگر یہ تو بتایئے کہ آپ پر علمائے کرام اور مفتیان عظام نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا؟

مولوی صاحب! (بہت تعجب کے ساتھ) کیوں میں نے کیا کیا؟ مجھ پر کفر کا فتویٰ کیوں لگتا؟

صادق ۔ (بہت سنجیدگی کے ساتھ) اس سے زیادہ کفر کے فتوے کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے ''موسیٰ کے باپ'' بننے کا دعویٰ کیا۔

اس پر مولوی صاحب بہت ہنسے اور فرمانے لگے کہ بھئی اس سے پہلے بھی تو کئی بزرگ اس نام کے گذر چکے ہیں۔میں نے بھی یہ نام رکھ لیا تو کونسا غضب آ گیا

صادق ۔ہوئے ہونگے۔مگر حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خدا کی طرف سے الہام پا کر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو سارے ملک میں آگ لگ گئی اور یہاں سے لے کر عرب تک کفر کے فتووں کی وہ بھر مار ہوئی کہ خدا کی پناہ۔

مولوی صاحب ۔اب تو مجھے ذرا ایک ضروری کام جانا ہے پھر کبھی مکان پر حاضر ہوں گا۔اچھا خدا حافظ۔

۳۵۔ دیوتا اور ہندوستان

سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک تبلیغی دورے سے واپس آتے ہوئے۔ چڑیا کوٹ کے قریب ایک ہندو نوجوان ریل میں حضرت مفتی صاحب کے قریب آ بیٹھا۔حضرت مفتی صاحب نے معقول اور سنجیدہ اور شریف آدمی دیکھ کر اسے تبلیغ کرنی چاہی دونوں میں مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

صادق ۔ آپ کا مذہب کیا ہے۔میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ہندوؤں کے کونسے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

ہندو ۔میں سناتن دھرم کا پیرو ہوں۔

صادق ۔ دیوتاؤں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ کون تھے۔انسان یا خدا؟

ہندو ۔ ہم لوگ انھیں ایشور کا اوتار سمجھتے ہیں۔خاص طور پر کرشن جی اور رام چندر جی کو۔

صادق ۔مگر ان کی زندگی میں ہم کو بعض ایسے واقعات نظر آتے ہیں جن سے ماننا پڑتا ہے کہ کم از کم اس وقت وہ ایشور نہ تھے۔ بات یہ ہے کہ ایشور کبھی اپنی صفات سے جدا نہیں ہوتا۔مگر رام چندر جی جنگل میں سیتا کو آوازیں دیتے پھرے۔اور تلاش کرتے رہے۔

ہندو ۔اس میں ایک مصلحت تھی۔

صادق ۔ممکن ہے مصلحت ہو۔لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اوتاروں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بجلی بعض ذرائع سے ایک تار کے اندر ڈال دی جاتی ہے تو اس وقت وہ تار دوسرے معمولی تاروں کی طرح نہیں رہتا بلکہ ایک نئی چیز بن جاتا ہے۔اور اس سے ایسے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں جو دیگر معمولی تاروں سے نہیں ہو سکتے۔اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ دوسرے ٹکڑوں کی طرح یہ بھی ایک تار ہے۔لیکن ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ تار بجلی بن گیا ہے۔اور دنیا بھر میں جو بجلی ہے وہ اس کے اندر گھس گئی ہے۔ بلکہ سچ بات یوں ہے کہ بجلی بجائے خود اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی طرف سے ایک خاصیت اس ٹکڑے کو عطا ہوئی ہے۔بالکل اسی طرح خدا کے پیارے بندوں پر ایک الوہیت کی چادر ڈالی جاتی ہے۔جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسان نہیں کر سکتے۔لیکن اس سے وہ خدا نہیں بن جاتے۔ خدا اپنی ذات میں دائم قائم اور ازلی وابدی ہے۔اب فرمایئے کہ میں نے جو بات عرض کی اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ہندو ۔آپ نے جو فرمایا بالکل درست ہے۔دل اس بات کو قبول کرتا ہے۔

صادق ۔اچھا اب میں آپ سے ایک اور بات پوچھتا ہوں۔ یہ بتلایئے کہ دیوتا صرف ہندوستان ہی میں ہوئے ہیں یا دوسرے ملکوں میں بھی؟ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہر جگہ اور

ہر ملک میں موجود ہے۔ جیسی ہند کی مخلوق خدا کو پیاری ہے ایسی تمام دوسرے ملکوں کی مخلوق کو خدا عزیز رکھتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو دوسرے ملکوں میں بھی انصافاً دیوتا ہونے چاہئیں۔

ہندو۔ بے شک یہ معقول بات ہے اور میں مانتا ہوں کہ دوسرے ملکوں میں بھی دیوتا ہوئے ہوں گے۔

صادق۔ ہاں سچی بات یہی ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی دیوتا ہوئے ہیں۔ عرب اور شام کے علاقوں میں بھی دیوتا گذرے ہیں ان کو اس ملک کی بولی میں نبی اور رسول کہتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رسول محمدؐ نام ہوئے ہیں (ﷺ) جن کا وطن عرب تھا۔ ان کو بھی ضرور ماننا چاہیے۔

ہندو۔ بے شک سب دیوتا ماننے کے قابل ہیں چاہے وہ کسی ملک میں ہوئے ہوں۔

صادق۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا ہمارے اس زمانہ میں بھی کوئی دیوتا ہوا ہے یا نہیں؟

ہندو۔ ہوں گے تو ضرور مگر نظر نہیں آتے اور مخفی ہیں۔

صادق۔ ممکن ہے آپ کا کہنا ٹھیک ہو۔ مگر ایک دیوتا ایسا بھی ہے جو ظاہر ہو گیا ہے۔

ہندو۔ (بڑے شوق سے) جلدی بتلائیے کہ وہ کہاں اور کس جگہ ہیں اور ان کا نام کیا ہے۔

صادق۔ ان کا نام احمد تھا۔ اور وہ پنجاب کے ایک مقام قادیان میں گذرے ہیں ان کے انتقال کو تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔

ہندو۔ ان کے حالات کے متعلق کیا آپ مجھے کچھ بتائیں گے؟

صادق۔ قادیان پہنچ کر میں آپ کو ایک کتاب بھیجوں گا۔ جس سے آپ کو سارے حالات معلوم ہو جائیں گے۔

۳۶۔ مسیح کی آمد ثانی

ایڈوینٹسٹ (Adventist) عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ دوسرے عیسائیوں کے برخلاف بجائے اتوار کے ہفتہ کو عبادت کا دن مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح بہت ہی جلد واپس تشریف لانے والے ہیں۔ جب حضرت مفتی صاحب ۱۹۱۴ء میں تبلیغ کے لیے بنگال میں مقیم تھے تو ایک روز کلکتہ کے بازار میں جاتے ہوئے اس فرقہ کے تین واعظوں سے حضرت مفتی صاحب کی مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ گفتگو حسب ذیل ہوئی:

صادق۔ آپ لوگ مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں؟

واعظ۔ ہاں ہم لوگ منتظر ہیں۔ اور بہت ہی جلد وہ تشریف لانے والے ہیں۔

صادق۔ کیا اس کے لیے آپ کوئی تاریخ یا سال مقرر کر سکتے ہیں؟

واعظ۔ بالکل ٹھیک طور پر تو نہیں بتا سکتے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ وہ بہت ہی جلد آئے گا۔

صادق۔ کیا اس کے آنے کی علامات پوری ہوگئی ہیں؟

واعظ۔ ہاں بہت سی علامات ظاہر ہوگئی ہیں۔

صادق۔ آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ یہ آمد ثانی روحانی ہوگی۔ یا جسمانی طور پر وہی مسیح دوبارہ آئے گا جو انیس سو برس پہلے اس زمین پر چلتا پھرتا تھا۔

واعظ۔ وہی پہلا مسیح آئے گا۔ بعینہٖ وہی آئے گا۔ کچھ فرق نہیں ہوگا۔ مگر اس وقت تو ہمیں فرصت نہیں یہ ہمارا کارڈ ہے آپ ہمارے مکان پر تشریف لائیں۔ وہاں مفصل گفتگو ہوگی۔

صادق۔ اس کارڈ کے لئے شکریہ۔ ضرور کسی وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ مگر اتنی بات مختصر طور پر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح نے خود اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص کا آسمان پر جانا مانا جاتا ہو اور پھر اس کا دوبارہ زمین پر آنا بھی تسلیم کیا جاتا ہو تو وہ دوبارہ آنا کس رنگ اور کس طریقہ کا ہوتا ہے؟

واعظ۔ کہاں فیصلہ کیا ہے؟ ذرا مہربانی فرما کر بتائیے۔

صادق ۔ انجیل میں علمائے یہود کا قصہ موجود ہے جنھوں نے یسوع سے سوال کیا تھا کہ ''مسیح کے آنے کی علامت تو ہماری کتب مقدسہ میں یہ لکھی ہے کہ اس کے آنے سے قبل الیاس نبی جو آسمان پر چلا گیا تھا۔ وہ دوبارہ زمین پر آئے گا۔ سو اگر آپ مسیح ہیں تو فرمایئے کہ وہ الیاس کہاں ہے؟ جسے دیکھ کر ہم آپ کی تصدیق کریں۔'' اس پر یسوع نے انکو جواب دیا تھا کہ ''یوحنا نبی جو جنگل میں وعظ کرتا ہے۔ یہی الیاس ہے۔'' یہود نے پھر کہا کہ ''ہم یوحنا کو جانتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کو جانتے ہیں۔ وہ الیاس کس طرح ہو گیا جو ہمارے سامنے پیدا ہوا اور آسمان سے نہیں آیا''۔ یسوع نے کہا کہ ''الیاس یوحنا کی روح اور طاقت میں آیا ہے۔ جو چاہے اسے مان لے اور پھر میری تصدیق کرے۔'' یہود سے یہ فرما کر حضرت مسیح نے گویا خود فیصلہ کر دیا کہ اگر کسی نبی کی دوبارہ آمد کا انتظار ہو تو اس کا دوبارہ آنا اس طرح ہوا کرتا ہے جس طرح الیاس کا آنا یوحنا (یحیٰی) نبی کے وجود سے ظہور میں آیا۔ انجیل میں یہ قصہ فضول درج نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی حقیقی غرض یہ ہے کہ اس پیرایہ میں حضرت مسیح اپنی دوبارہ آمد کا طریقہ بتا رہے ہیں تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں دھوکہ نہ کھائیں۔ حضرت مسیح نے جس سنت الٰہیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اگر وہ غلط ہے تو پہلی آمد بھی مشتبہ ہو جائے گی۔

واعظ ۔ مگر مسیح نے تو یہ کہا کہ میں خود آؤں گا۔

صادق ۔ یہی سوال تو یہود کا بھی تھا کہ ہماری کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ کوئی شخص الیاس کی مانند آئے گا۔ بلکہ وہاں خود الیاس کا آنا لکھا ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ آنے والا شخص لازماً اس صورت شکل میں آئے جو آپ کے ذہن میں ہے پنجاب کے قصبہ قادیان میں ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب آپ کا اسم گرامی تھا۔ انھوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

واعظ ۔ او! میں جانتا ہوں۔ احمدیہ موومنٹ! کیا آپ بھی اس تحریک سے تعلق رکھتے ہیں۔؟

صادق ۔ ہاں میں احمدی ہوں۔ اور حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود یقین کرتا

ہوں۔

واعظ ۔ بہت دلچسپی کی بات۔ آپ یہاں کب سے ہیں اور کتنی مدت اور قیام کا ارادہ ہے؟

صادق ۔ ایک ماہ سے زیادہ ہوا۔ جب پہلے یہاں آیا تھا مگر متواتر یہاں نہیں رہا۔ اب انشاءاللہ ایک ماہ سے زیادہ رہوں گا۔

واعظ ۔ اچھا یہاں سے ہم گاڑی پر سوار ہونگے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ گڈ نائٹ۔

۳۷۔ پودے اور مرید

جلسہ سالانہ ۱۹۲۵ء کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے جو تقریر ''ذکر حبیب'' فرمائی اس میں یہ لطیفہ بھی بیان کیا۔ کہ ۱۹۰۵ء میں زلزلہ کی پیشگوئی کی بنا پر ہم لوگ حضرت صاحب کے باغ میں چلے گئے تھے۔ باغ کا انتظام حضرت میر ناصر نواب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت میر صاحب نے حال میں وہاں چند چھوٹے چھوٹے پودے لگوائے تھے۔ جنھیں لوگوں کے اِدھر اُدھر پھرنے سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اور حضرت میر صاحب اس سے ناراض ہوتے تھے۔ ایک دن حضرت خلیفہ اولؓ اور مولوی عبدالکریمؓ اور کئی دوست ایک جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت میر صاحب بھی آ گئے اور آتے ہی فرمانے لگے کہ ہم نے چند پودے باغ میں بڑی احتیاط سے لگائے تھے۔ جو لوگوں کی بے احتیاطی سے اب خراب ہو جائیں گے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے بے ساختہ جواب دیا کہ ''میر صاحب! آپ کو اپنے پودے پیارے ہیں اور مرزا کو اپنے مرید پیارے ہیں۔''

۳۸۔ مختلف اخلاق کے پادری

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ پادری لوگ نرم مزاج، ملنسار اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر ان سے سختی سے بھی بات کی جائے تو ہنس کر جواب دیتے ہیں لیکن بعض بعض

بڑے اکھڑ اور تند خو بھی ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک پادری صاحب سے حضرت مفتی صاحب کو امریکہ میں واسطہ پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ امریکہ میں آباد شدہ ایک عرب نے ایک امریکن لیڈی سے شادی کرلی۔ مگر وہ عورت مسلمان نہیں ہوئی۔ اور عیسائیت پر پختہ رہی۔ ایک مرتبہ اس کے عرب شوہر نے حضرت مفتی صاحب کو خط لکھا کہ دو چار دن کے لیے میرے پاس ہو جائیں۔ خیر مفتی صاحب وہاں گئے اور لیڈی کو اسلام کی تبلیغ کی۔ اس نے کہا کہ میں تو آپکو جواب دے نہیں سکتی مگر اپنے پادری صاحب کو بلاتی ہوں وہ آپ سے گفتگو کریں گے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آپ اپنے پادری کو بلالیں۔''

چنانچہ پادری صاحب تشریف لائے اور گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''پادری صاحب! کفارہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک کھائے دوسرے کا پیٹ بھر جائے۔ یہ بات انسانی عقل سے بالا ہے۔'' اس پر پادری صاحب کو یکدم غصہ آگیا اور وہ نہایت ناراض ہو کر کہنے لگے ''اگر تم کفارہ پر ایمان نہ لاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے جہنم میں''۔

حضرت مفتی صاحب نے نرمی سے جواب دیا ''پادری صاحب! یہ اخلاق مسیح کی تعلیم کے خلاف ہیں جن کا مظاہرہ آپ نے اس وقت کیا۔ رہ گیا جہنم میں جانا۔ تو افسوس کہ جہنم آپ کے اختیار میں نہیں کہ جسے چاہیں آپ جہنم میں جھونک دیں۔ اگر دوزخ آپ کے اختیار میں ہوتی تو پھر آپ کا جو دل چاہتا کہتے۔ لیکن وہ صرف خدا کے اختیار میں ہے۔

پادری صاحب کی بلاوجہ یہ سخت کلامی دیکھ کر وہ لیڈی صاحبہ نہایت رنجیدہ ہوئیں اور حضرت مفتی صاحب سے بہت معذرت کی اور کہنے لگیں کہ ''مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ اتنا بدزبان ہے۔ ورنہ میں اسے ہرگز نہ بلاتی۔ مجھے آپ سے بڑی شرمندگی ہو رہی ہے۔''

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''نہیں! آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں۔ ہم تو ایسی باتیں سننے کے عادی ہیں۔ خیر اس ذکر کو چھوڑیں اور یہ بتلائیں کہ یہاں کوئی اور پادری صاحب بھی ہیں۔؟

لیڈی نے کہا ''ہاں! یہاں کے بڑے گرجا میں جو پادری ہے میرے خیال میں نہایت لائق اور فاضل ہے۔''

حضرت مفتی صاحب اس پادری سے اکیلے جا کر ملے۔ اور اپنا تعارف کرایا۔ وہ پادری صاحب حضرت مفتی صاحب سے نہایت تپاک اور خاطر داری سے پیش آئے اور فرمانے لگے ''شام کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں'' حضرت مفتی صاحب نے وعدہ کیا اور واپس چلے گئے۔ جب شام کو دعوت پر گئے تو دیکھا کہ پادری صاحب اور ان کی بیوی نے نہایت پر تکلف طریقہ پر دعوت کا انتظام کر رکھا ہے۔ اور بڑی ہی خاطر داری اور اخلاق کے ساتھ انھوں نے کھانا کھلایا۔

دوسرے دن بازار میں ایک اور پادری صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ وہ فرمانے لگے کہ ''کیا آپ اتوار تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟'' حضرت مفتی صاحب نے جواباً پوچھا کہ ''آپ نے یہ کیوں دریافت فرمایا؟ پادری صاحب نے جواب دیا ''میں اپنے گرجا میں اتوار کے دن آپ کا لیکچر کرانا چاہتا ہوں اگر آپ اتوار تک ٹھہر سکیں اور لیکچر دینا قبول فرمائیں تو میں اس عنایت کے لئے نہایت شکر گذار ہوں گا۔'' حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''میں تو صرف اسلام پر لیکچر دے سکتا ہوں آپ اور آپ کے سامعین اگر اسے سننا گوارا فرمائیں تو میں بڑی خوشی سے اتوار تک ٹھہرنے کے لیے تیار ہوں۔

پادری صاحب نے کہا ''بے شک آپ اسلام پر لیکچر دیں ہمیں اس لیکچر سے اسلام کے متعلق نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے اتوار کے دن اس گرجا میں جا کر اسلام پر لیکچر دیا جو تمام لوگوں نے توجہ کے ساتھ سنا اور نہایت شکریہ ادا کیا۔ لیکچر کے بعد پادری صاحب نے سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''یہ ڈاکٹر صاحب بڑی دور سے آئے ہیں اور میری درخواست پر انھوں نے یہاں لیکچر دینا منظور کیا۔ پس آپ لوگوں پر لازم ہے کہ کم از کم سفر خرچ میں ان کی امداد کریں۔ چنانچہ اسی وقت لوگوں نے چندہ کر کے کچھ رقم مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔

۳۹۔ خدائی تصرف

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں ایک کتاب دیکھی جس میں یوز آسف کے نام پر ایک گرجا کا حوالہ دیا گیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس کا ذکر قادیان آ کر حضرت اقدس سے کیا۔ حضرت نے فرمایا ''وہاں سے وہ کتاب لے آئیں۔''

جب مفتی صاحب لائبریری میں گئے تو اس کتاب کا نام بھول گئے۔ ہر چند تلاش کیا مگر کتاب نہ ملی۔ جب تک نام معلوم نہ ہو کتاب کس طرح مل سکتی تھی۔ لائبریرین نے بھی عذر کر دیا۔ ناچار واپس آ کر حضرت صاحب سے صورتِ معاملہ بیان کر دی۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پھر جائیے۔ اب کے وہ کتاب آپ کو مل جائے گی۔

مفتی صاحب نے حکم کی تعمیل تو کی۔ مگر حیران تھے کہ جب نام ہی یاد نہیں تو کتاب کو کس طرح اور کہاں تلاش کروں۔

خیر اسی فکر میں مفتی صاحب لائبریری پہنچے۔ اس وقت اتفاق سے لائبریرین ضرورتاً ایک آدھ منٹ کے لئے باہر چلا گیا تھا۔ اس کی میز پر ایک کتاب پڑی ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے بغیر کسی خیال کے ویسے ہی اسے اٹھا لیا۔ کھولا تو وہی مطلوبہ کتاب تھی۔

اس خدائی تصرف کو دیکھ کر مفتی صاحب حیران رہ گئے۔ لائبریرین آیا تو مفتی صاحب نے یہ عجیب وغریب واقعہ اس سے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا ''جاؤ کتاب مل جائے گی۔'' اور غیر متوقع طور پر کتاب فوراً مل گئی۔

لائبریرین نے کہا کہ جناب اگر آپ کچھ دیر پہلے آتے تب بھی آپ کو یہ کتاب نہ ملتی۔ کیونکہ ابھی ابھی باہر سے آئی تھی۔ اور اگر ذرا بھی دیر کے بعد آتے تب بھی یہ کتاب آپ کو نہ ملتی۔ کیونکہ میں اسے فوراً اس کی جگہ رکھوا دیتا۔ اب اسے لے جائیں۔ اور حضرت صاحب کو دکھائیں۔ چنانچہ اس کتاب کا حوالہ حضور نے اپنی کتاب ''مسیح ہندوستان میں''

درج فرمایا ہے۔

۴۰۔ مشائخی کا کام

1915ء میں حضرت مفتی صاحب ترجمۃ القرآن انگریزی کا پہلا پارہ چھپوانے کے لیے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں قیام کے زمانہ میں ایک روز راستہ چلتے ایک مسلمان صاحب مل گئے۔ ان سے مفتی صاحب نے پوچھا کہ:۔

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

صاحب۔ میں مشائخی کرتا ہوں۔

صادق۔ (بہت تعجب کے ساتھ) یہ تو بالکل نیا پیشہ میں نے اپنی عمر میں سنا۔ ذرا مہربانی فرما کر بتائیے کہ مشائخی کیا کام ہوتا ہے۔؟

صاحب۔ کسی شخص کے اندر اگر کسی وجہ سے شیطان داخل ہو جائے تو اسے نکالنا۔

صادق۔ یہ تو بہت عمدہ کام ہے۔ یہ بے شمار ہندو جو آپ کے شہر میں پھر رہے ہیں۔ یہ سب کے سب بتوں کو پوجتے اور دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں۔ خدا اور رسول سے بیگانہ اور اسلام سے علیحدہ ہیں کیا آپ کے خیال میں ان کے اندر شیطان گھسا ہوا ہے یا نہیں؟

صاحب۔ بے شک ان میں شیطان گھسا ہوا ہے۔ جبھی تو مسلمان نہیں ہوتے۔

صادق۔ پھر آپ ان کا شیطان نکال دیں۔ اللہ رسول کا کام ہے بڑا ثواب ہوگا۔

صاحب۔ (ہنس کر) یہ تو ہم سے نہیں نکلتا۔

صادق۔ اچھا چھوڑیے ہندوؤں کے شیطان کو۔ یہ بتلائیے کہ خود آپ کے اندر بھی شیطان ہے یا نہیں؟

صاحب۔ ہاں صاحب جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ میرے اندر بھی شیطان موجود ہے۔

صادق۔ پھر اسی کو نکالیے۔

صاحب۔ ہم سے وہ بھی نہیں نکلتا۔

صادق۔ تو پھر وہ مشائخی کیا ہوئی جو خود اپنے اندر کا شیطان بھی نہ نکال سکے۔ آیئے میں آپ کو ایک ایسے شخص کا پتہ بتاؤں جو آپ کے اندر سے شیطان نکال دے گا۔

صاحب۔ (بڑی توجہ سے) ضرور بتلایئے۔ وہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔

صادق۔ وہ حضرت مہدی علیہ السلام ہیں جو پنجاب میں ظاہر ہوئے۔

صاحب۔ (بڑے ہی تعجب سے) ہیں! کیا حضرت مہدی علیہ السلام ظاہر ہو گئے۔

صادق۔ بے شک ہو گئے۔ میں نے ان کو دیکھا۔ پہچانا اور قبول کیا۔

اس کے بعد ان سے سلسلہ کے متعلق بہت سی باتیں ہوئیں اور ان کو خوب اچھی طرح حضرت مفتی صاحب نے تبلیغ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے رخصت چاہی۔ غور کرنے کا وعدہ کیا اور چلے گئے۔

۴۱۔ حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت اپنے خادموں پر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے خادموں پر بے انتہا شفقت تھی۔ اور وہ بڑی محبت کے ساتھ ان سے پیش آتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ ایک بڑا پر لطف لطیفہ مفتی صاحب کے ساتھ پیش آیا۔

مفتی صاحب ابتداء میں لاہور میں ملازم تھے اور ہر اتوار کو یا ہر چھٹی کے موقعہ پر عموماً قادیان بھاگے آیا کرتے تھے۔ ایک روز اسی طرح کوئی دن کے ایک بجے مفتی صاحب قادیان پہنچے۔ حضرت صاحب کو خبر ہوئی تو فوراً باہر تشریف لے آئے۔ بڑی محبت سے ملے اور مفتی صاحب کو اندر گھر میں لے گئے اور کھانا لا کر مفتی صاحب کے آگے رکھ دیا۔ خود پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

مفتی صاحب نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ ظہر کی اذان ہوگئی اذان کی آواز سن کر مفتی

صاحب نے جلدی جلدی کھانا شروع کیا تا کہ جماعت میں شامل ہو سکیں۔ حضرت اقدس یہ دیکھ کر مسکرانے لگے اور ہنستے ہوئے فرمایا مفتی صاحب اتنے جلدی جلدی کھانے کی ضرورت نہیں۔ نہایت اطمینان سے کھایئے۔ جب تک میں باہر نہیں جاتا نماز نہیں ہوگی اور جب تک آپ کھانا نہیں کھا لیتے میں باہر نہیں جاؤں گا۔

۴۲۔ دعا کا ایک عجیب کرشمہ

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ ''جب میں ہندوستان سے انگلینڈ کے لیے روانہ ہوا۔ تو پاسپورٹ کی رو سے راستہ میں فرانس نہیں اتر سکتا تھا لیکن میرا بڑا دل چاہتا تھا کہ فرانس میں اُتروں۔ اس کا ذکر میں نے افسر جہاز سے کیا۔ اس نے کہا کہ تم فرانس میں صرف اس صورت میں اتر سکتے ہو جب تمھارے پاس اتنا خرچ ہو۔ جب میں نے اپنے سرمایہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جس قدر کپتان کہتا ہے کہ خرچ ہوگا۔ میرے پاس اس سے دو پونڈ کم تھے۔ میں نے سوچا کسی سے یہ رقم قرض لے لوں۔ مگر جہاز میں میرا کوئی بھی شناسا نہ تھا۔ کس سے لیتا۔ آخر جب بالکل مایوس ہو گیا تو میں نے دعا کی کہ اے زمین اور آسمان کے مالک۔ اے خشکی اور تری کے خالق! تو ہر چیز پر قادر ہے اور تجھے ہر قسم کی قدرت اور طاقت حاصل ہے۔ تو جانتا ہے کہ مجھے اس وقت دو پونڈ کی ضرورت ہے پس تو مجھے یہ دو پونڈ دیدے۔ خواہ آسمان سے گرا یا سمندر سے نکال مگر دے ضرور۔ میں نے بہت ہی الحاح اور زاری کے ساتھ خدا سے دعا مانگی۔ اور دعا مانگنے کے بعد مجھے پختہ یقین ہو گیا کہ مجھے دو پونڈ ضرور مل جائیں گے۔ مگر میری یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بالکل اجنبی جگہ اور بالکل اجنبی آدمیوں میں یہ دو پونڈ کس طرح ملیں گے؟

یہ جنگ یورپ کا زمانہ تھا۔ جہاز چلتے چلتے یکدم ایک ایسی جگہ ٹھیر گیا۔ جہاں پہلے کبھی نہیں ٹھیرا تھا۔ میں نے اس خیال سے کہ جنگ کا زمانہ ہے ممکن ہے اس جگہ ہمارے کچھ احمدی دوست ہوں کپتان جہاز سے کہا کہ مجھے خشکی پر جانے کی اجازت دیں۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ یہاں ہرگز نہیں اُتر سکتے۔ ہم تو ویسے ہی یہاں محض سمندر

...رنے کے لئے اتفاقاً کھڑے ہو گئے ہیں ورنہ اس سے پہلے یہاں آج
...ے نہیں ہوئے۔
...ی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی جہاز کی طرف آ رہی ہے میں نے کپتان
...۔ یہ کشتی یہاں کیوں آ رہی ہے۔ جب یہاں اترنے کی اجازت ہی نہیں؟ کپتان
مجھے پتہ نہیں کہ کیوں آ رہی ہے۔ پاس آئے تو حالات کا علم ہو۔
جب کشتی جہاز کے قریب آئی تو میں نے پہچانا کہ اس میں ہمارے بھائی حاجی عبدالکریم صاحب تھے۔ انھوں نے کسی طرح سن لیا تھا۔ کہ میں فلاں جہاز سے انگلستان جا رہا ہوں اور فلاں وقت جہاز یہاں سے گذرے گا۔ ان کو معلوم تھا۔ کہ جہاز یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ پھر بھی وہ ساحل پر آ گئے تھے۔ لیکن جب جہاز جزیرہ کے سامنے آ کر اچانک ٹھہر گیا تو وہ فوراً کشتی لے کر جہاز کے پاس آ گئے۔ کپتان نے ان کو دریافتِ حال کے لیئے اوپر آنے کی اجازت دی خیر وہ مجھ سے ملے اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ کہہ کر دو پونڈ میری جیب میں ڈال دیے کہ ''مجھے کچھ مٹھائی آپ کے ساتھ کے لیے لانی چاہیے تھی۔ مگر مجھے تو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ جہاز ٹھہر جائے گا اور میں آپ سے مل سکوں گا۔ اس لیے یہ دو پونڈ مٹھائی کے ہیں رکھ لیں''
فی الحقیقت دعا ایک بڑی ہی عجیب وغریب چیز ہے جو ہر مشکل موقع پر کام آتی ہے۔

۴۳۔ عربی اور انگریزی کا مقابلہ

حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی عیسائی بیرسٹر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کے لیے قادیان آیا۔ اثنائے گفتگو میں کچھ زبان کا ذکر چل پڑا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ عربی زبان میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔ لفظ تھوڑے ہوتے ہیں معنی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس پر اس عیسائی نے کہا کہ یہ خوبی تو نہایت عمدگی کے ساتھ انگریزی میں بھی پائی جاتی ہے۔ پھر عربی کی کیا فضیلت رہی؟ حضرت صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن اس وقت بے اختیار حضرت کے منہ

سے نکلا کہ اچھا آپ میرا پانی کا انگریزی ترجمہ کریں۔
اس پر اس عیسائی نے کہا میرا پانی کا ترجمہ ہے مائی واٹر (my water) حضور نے فرمایا لو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا۔ اس فقرہ کا جب عربی میں ترجمہ کریں گے تو صرف مائی کہیں گے۔ اس برجستہ جواب پر وہ شخص ہکا بکا اور حیران ہو کر چپ ہو گیا۔

۴۴۔ بہنیں نہیں ماں بیٹیاں

۱۹۱۷ء میں جب حضرت مفتی صاحب تبلیغ اسلام کے لیے انگلینڈ گئے تو راستہ میں جہاز پر ایک پادری صاحب سے ملاقات ہوئی جن کا نام ویگز سلی لینڈ تھا۔ یہ صاحب امریکہ سے آئے تھے اور مصر تبلیغ کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت سے حالات ان کو سنائے چونکہ یہ امریکن تھے اس لیے مفتی صاحب نے ان کے سامنے حضرت مسیح موعود کا معجزہ متعلق ڈوئی پیش کیا کہنے لگے ڈوئی سچا نہ تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا بے شک سچا نہ تھا جبھی تو سچے کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا۔
ایک روز ان پادری صاحب سے مختلف زبانوں کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ پادری صاحب نے کہا کہ عربی اور عبرانی دونوں زبانیں بہنیں ہیں۔ ان کی شکل باہم بہت ملتی جلتی ہے۔ جو شخص ان میں سے ایک زبان سے واقف ہو تو دوسری زبان بآسانی سیکھ سکتا ہے۔
اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ہاں میں دونوں زبانیں جانتا ہوں دراصل دونوں آپس میں بہنیں نہیں ہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے بلکہ ماں بیٹی ہیں عربی ماں ہے اور عبرانی اس کی بیٹی ہے۔

۴۵۔ عیسائیوں کا لاینحل مسئلہ کفّارہ

انجمن احمدیہ مونگھیر (بنگال) نے نومبر ۱۹۱۰ء میں اپنے ہاں وسیع پیمانہ پر ایک تبلیغی جلسہ منعقد کرنا چاہا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست بھیجی

کہ مرکز سے کسی بزرگ عالم کو شرکت جلسہ کے لیے مونگھیر بھیجا جائے حضرت خلیفۂ اوّل نے مولانا سید سرور شاہ صاحب اور مفتی صاحب کو مونگھیر جانے کا حکم دیا۔ اور یہ دونوں بزرگوار قادیان سے ۸ نومبر ۱۹۱۰ء کو مونگھیر کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس سفر کی کیفیت بڑی دلچسپ ہے مگر ہم اُسے چھوڑتے ہوئے اس مزیدار گفتگو کی کیفیت بیان کرتے ہیں جو لکھنو اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر حضرت مفتی صاحب کی ایک انگریز پادری سے ہوئی۔ مفتی صاحب نے اس سے پوچھا "اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ مسیحی دین کے واعظ ہیں؟

پادری صاحب۔ میں اردو نہیں جانتا۔

یہ انگریز پادری صاحب صرف اتنی ہی اُردو جانتے تھے کہ یہ کہہ دیں کہ میں اُردو نہیں جانتا۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب نے ان سے انگریزی میں گفتگو شروع کی۔

صادق۔ کیا آپ دینِ عیسوی کے واعظ اور مناد ہیں؟

پادری صاحب۔ ہاں میں پادری ہوں۔

صادق۔ کیا میں آپ سے کوئی دینی بات دریافت کر سکتا ہوں؟

پادری صاحب۔ ہاں آپ بے شک دریافت کریں۔ میں خوشی سے جواب دوں گا۔

صادق۔ میں آپ سے مسئلہ کفارہ کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یسوع کا کفارہ عیسائیوں کے گناہوں کی صرف اس سزا کو اٹھاتا ہے جو مرنے کے بعد ملنے والی ہے؟ یا اس سزا کو بھی اٹھاتا ہے جو اس جہان میں ملتی ہے؟

پادری صاحب۔ دونوں قسم کی سزاؤں کو۔

صادق۔ خوب۔ تو اب آیئے اور اس بات کو عملی رنگ میں دیکھئے مثلاً جب کوئی عیسائی شخص چوری کرتا ہے تو اسے ملکی قانون کے مطابق جیلخانہ بھیج دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حکومت عیسوی مذہب کی پیرو ہے مگر وہ اس عیسائی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی اور اس کو اسی طرح جیل میں بند کر دیتی ہے جیسے ایک غیر عیسائی چور کو۔ اب بتلایئے کہ کفارہ کا فائدہ عملی دنیا میں کیا ہوا۔

پادری صاحب۔ مسیحی اگرچہ جیل جاتا ہے مگر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کو ایسی تسلی اور تشفی ملتی ہے جو غیر مسیحی کو نہیں مل سکتی۔

صادق۔ تشفی کے متعلق یہ ہے کہ جو شخص بھی توبہ کرتا ہے اور خدا کی طرف جھکتا ہے اسے مل جاتی ہے۔ مگر ہم فرض کرتے ہیں کہ تشفی مسیحی کو ملتی ہے غیر مسیحی کو نہیں ملتی۔ جب یہ فرض کر لیا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ کفارہ کا جو عملی فائدہ اس دُنیا میں ظاہر ہوا اسی کے مطابق اگلے جہان میں بھی ظہور پذیر ہوگا یعنی مسیحی گنہگار بھی غیر مسیحی گنہگار کی طرح جہنم میں ڈالے جائیں گے اور دونوں جہنم میں رہیں گے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مسیحی گنہگاروں کو تشفی ملتی رہے گی اور غیر مسیحی گنہگاروں کو تشفی نہیں ملے گی۔

یہ سن کر پادری صاحب نے پلیٹ فارم پر جھک کر ریل کی پٹڑی کو دور تک دیکھا اور پھر یہ کہہ کر فوراً چلے گئے کہ ”معاف کیجیے ریل کے آنے کا وقت ہو گیا ہے اور میں اب مزید گفتگو نہیں کر سکتا۔“

مگر ریل کے آنے میں ابھی پورے پندرہ منٹ باقی تھے۔

۴۶۔ مسیح صلیب پر نہیں مرا

جنوری ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے جب کہ مفتی صاحب امریکہ میں تھے کہ ایک دو پادری حضرت مفتی صاحب کے مکان پر آئے اور باہم کچھ مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر مرنے کا ذکر تھا۔ مفتی صاحب نے کہا مسیح کا صلیب پر مرنا خود آپ کی انجیل سے ثابت ہے۔ کیا مسیح نے رات بھر رو رو کر اور گڑگڑا کر اور منہ کے بل گر کر بار بار یہ دعا نہیں کی تھی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو (یہ موت) کا پیالہ مجھ سے ٹل جائے (متی باب ۲۶ آیت ۳۹)

پادری صاحب۔ بے شک مسیح نے یہ دعا کی تھی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ اور اس نے بھی وہی دعا مانگی کہ اے میرے باپ اگر یہ موت کا پیالہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو

(متی باب۲۶۔آیات ۳۹۔۴۲)

صادق ۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔خدا کی مرضی اور منشاء والا فقرہ تو دراصل ہر دعا کرنے والے کی دعا کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔خدا کو مجبور کر کے کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا مگر ہمیں تو یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ مسیح نے دعا کی تھی یا نہیں کی تھی؟اور اس کے بعد یہ کہ وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی؟ بحث کے پہلے حصہ کے متعلق تو آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اس نے دعا کی تھی۔اب صرف یہ دیکھنا باقی رہ جاتا ہے کہ آیا وہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی؟ سو اس کے لیے آپ عبرانیوں کے پانچویں باب کی ساتویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔جہاں مسیح کے متعلق صاف لکھا ہے کہ ''اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اس کی سنی گئی۔''(عبرانیوں باب۵ آیت ۷)اب آپ فرمائیے کہ عبرانیوں کے اس فقرہ میں کس کا ذکر ہے؟

پادری صاحب۔یسوع کا۔

صادق ۔ کیا سوائے اس رات کے جس کی صبح مسیح کو صلیب دی جانی تھی۔انجیل میں کہیں اور بھی موت سے بچنے کے لیے دعا مانگنے کا ذکر ہے۔

پادری صاحب۔اور تو کہیں اس قسم کا ذکر نہیں۔

صادق ۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ دعا قبول ہوئی۔

پادری صاحب ۔ ہاں یہاں تو لکھا ہے مگر متی باب ۲۷ آیت ۵۰ میں یہ بھی تحریر ہے کہ ''یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلّا کر جان دے دی''۔اور پھر وہ تیسرے دن مُردوں میں سے جی اٹھا۔

صادق ۔ یہ بھی درست ہے اس نے تو اپنی طرف سے جان دیدی تھی۔اور دیکھنے والوں نے بھی ایسا سمجھا کہ مر گیا ہے مگر خدائے تعالیٰ نے حالت بیہوشی میں کر کے اسے موت سے بچا دیا۔اور یہ تو عام محاورہ ہر زبان میں ہے کہ جب ایک شخص سخت بیماری سے صحت پاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے دوبارہ زندگی پائی۔

اس کا پادری صاحبان نے کوئی جواب نہ دیا۔ادھر ادھر کی کچھ اور باتیں کرنے لگے اور تھوڑی دیر میں واپس چلے گئے۔

۴۷۔ بپتسمہ

حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ مجھ سے خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص ایک پادری صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا ''پادری صاحب میں بپتسمہ لے کر عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھے ٹھیک اسی طرح بپتسمہ دیں جس طرح مسیح بپتسمہ دیا کرتا تھا اور بپتسمہ دینے سے پہلے مجھے انجیل سے دکھا دیں کہ مسیح کس طرح بپتسمہ دیا کرتا تھا؟ تا کہ مجھے کوئی شک نہ رہے''۔

اس عجیب و غریب سوال پر پادری صاحب نہایت حیران ہو کر فرمانے لگے کہ ''آپ بپتسمہ نہیں پا سکتے۔مہربانی فرما کر تشریف لے جائیں''۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ مسیح کس طرح بپتسمہ دیا کرتا تھا۔

اسی سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے ایک اور دلچسپ لطیفہ سنایا جو ان سے حضرت خلیفہ اوّل نے بیان کیا تھا۔اور جو حسب ذیل ہے:۔

ایک گاؤں میں اتفاق سے دو سگے بھائی عیسائی ہو گئے۔اور انھوں نے اپنے بوڑھے باپ کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی عیسائیت کو قبول کر لے۔بوڑھا آدمی جاہل اور ناواقف تھا۔اس نے بیٹوں سے کہا کہ ''اچھا جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح سہی۔لو مجھے عیسائی کر لو''۔بیٹے بڑے خوش ہوئے اور پادری صاحب سے جا کر کہا کہ ''ہمارا باپ عیسائی ہونا چاہتا ہے اسے بھی آپ بپتسمہ دیدیں''پادری صاحب نے کہا ''بڑی اچھی بات ہے۔اتوار کو لے آنا''۔چنانچہ اتوار کو دونوں برخوردار اپنے بوڑھے باپ کو لے کر گرجا میں پہنچ گئے۔اور پادری صاحب خوشی خوشی اسے بپتسمہ دینے کے لیے تیار ہوئے۔

بپتسمہ دیتے وقت پانی کے تین چھینٹے پادری اس شخص کے منہ پر مارتا ہے جو عیسائی ہونا

چاہتا ہے۔ پہلے چھینٹے پر کہتا ہے "میں تجھے خدا باپ کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں۔" دوسرے چھینٹے پر کہتا ہے "میں تجھے خدا کے بیٹے کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں" اور تیسرے چھینٹے پر کہتا ہے "کہ میں تجھے روح القدس کے نام پر بپتسمہ دیتا ہوں۔"

اس قصہ میں جو لطیفہ کی بات ہے وہ آگے آتی ہے۔ جب پادری صاحب نے بپتسمہ دینے کے لیے پہلا چھپکا بوڑھے میاں کے منہ پر مارا تو فوراً بوڑھے میاں بے اختیار بول اٹھے اشهد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بوڑھا عادی تھا کہ صبح کو جب اٹھتا اور ہاتھ منہ دھوتا تو منہ پر چھپکا لگاتے وقت کلمہ پڑھتا وہی کلمہ اس وقت اس کے منہ سے نکلا جب اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا پڑا۔ مگر پادری صاحب اسے سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اور سوچنے لگے کہ یہ بڈھا اچھا عیسائی ہونے آیا جو بپتسمہ پاتے وقت بھی کلمہ پڑھتا ہے۔ پادری صاحب نے دونوں "برخورداروں" کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی سے بہت شرمندہ تھے کہنے لگے پادری صاحب! ہمارا باپ جاہل اور ان پڑھ آدمی ہے۔ کلمہ ویسے ہی اتفاقاً اس کے منہ سے نکل گیا۔ اس کا آپ کچھ خیال نہ کریں۔ اور دوبارہ بپتسمہ کی کاروائی شروع کریں۔"

یہ کہہ کر دونوں لڑکوں نے باپ کو سمجھایا کہ "ابا! کلمہ نہیں پڑھنا۔ اب محمدؐ کو بھول جاؤ۔ اب تو یسوع مسیح کو خدا ماننے میں ہی نجات ہے۔"

بوڑھے نے جواب دیا "بہت اچھا"

اس کے بعد پادری صاحب دوبارہ بپتسمہ دینے کے لیے تیار ہوئے لیکن انھوں نے جونہی اسکے منہ پر چھپکا مارا فوراً ہی بوڑھے کے منہ سے پھر بے اختیار کلمہ نکلا۔

اب تو پادری صاحب کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس سے زیادہ غضب اور کیا ہوگا کہ تثلیث کے گھر میں دو مرتبہ پورے زور سے توحید کی صدا بلند ہوئی بڑے ہی طیش میں آ کر پادری صاحب نے دونوں لڑکوں کو حکم دیا "لے جاؤ اس بڈھے کو یہ کبھی قیامت تک بھی عیسائی نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح بغیر نجات حاصل کیے مر جائیگا۔"

۴۸۔ خدا کی بیٹی

لندن میں ایک لیڈی حضرت مفتی صاحب کے زیر تبلیغ تھی اور اکثر آ کر مسئلہ تثلیث پر بحث کیا کرتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب اسکو ہر چند سمجھاتے مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا اور وہ روز ایک نئی حجت نکال کر کھڑی کر دیا کرتی۔ آخر ایک روز حضرت مفتی صاحب کو ایک نہایت لطیف خیال سوجھا۔ آپ نے اس سے کہا

"میرے خیال میں آج ایک نئی بات آئی ہے۔ آپ اسے غور سے سنیں اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا کا ایک بیٹا ہے (جس پر مسئلہ تثلیث کا دارومدار ہے) تو ضرور تھا کہ ایک بیٹی بھی ہوتی۔ جب مردوں کے حقوق ہیں تو عورتوں کے بھی حقوق ہونے چاہئیں۔ اس لیے جب خدا کے بیٹا ہے تو بیٹی بھی ہونی چاہیے۔ ورنہ خدا پر بے انصافی کا الزام لگتا ہے اور مردوں کو عورتوں پر یہ بے جا فخر حاصل ہوتا ہے کہ ان سے ایک مرد تو خدا کا بیٹا بن گیا۔ مگر کسی عورت کو یہ عزت حاصل نہ ہوئی۔ آپ سوچیں اور غور فرمائیں کہ کیا یہ عورتوں کی صریح ہتک نہیں؟ یا تو خدا کے بیٹا ہی نہ ہوتا تب تو کچھ بھی جھگڑا نہ تھا۔ لیکن جب بیٹا ہے تو بیٹی بھی ضرور ہونی چاہیے تھی تا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت جتانے کا کوئی موقعہ نہ ہوتا جب بیٹی نہیں ہے تو پھر بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔ جب بیٹا نہ رہا تو مسئلہ تثلیث باطل ہو گیا اور جب مسئلہ تثلیث باطل ہو گیا تو پھر عیسائیت کا کیا باقی رہا؟

وہ لیڈی حقوق نسواں کی بڑی حامی تھی اور کہا کرتی تھی کہ قدرت نے مرد عورت دونوں کو مساوی حقوق دیے ہیں۔ مردوں کا کوئی حق نہیں کہ عورتوں پر حکومت کریں۔ اور اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ اور بہتر سمجھیں۔ جب مفتی صاحب کی یہ دلیل اس نے سنی تو بہت متاثر ہوئی۔ اور کہنے لگی "آج مجھے یقین ہو گیا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور وہ اولاد کے جھنجٹ سے پاک ہے۔ کیونکہ بیٹا ہونے کی حالت میں بڑا ظلم ہوتا اگر بیٹی نہ ہوتی۔ اب میں مانتی ہوں کہ مسئلہ تثلیث غلط اور بے معنی ہے۔ اور ہرگز کوئی عقلمند اسے قبول نہیں کر سکتا"۔

۴۹۔ کرسمس میں چوریوں کی عجیب وجہ

حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جب میں امریکہ میں تھا تو کرسمس کے ایام میں وہاں چوری اور قزاقی کے بکثرت واقعات ہوتے تھے۔ صرف شہر شکاگو میں قریباً ۴۰ کیس روزانہ۔ ان چوریوں کی وجہ بڑی دلچسپ تھی۔ اور وہ یہ کہ نوجوان لڑکے کرسمس کے تہوار پر ان لڑکیوں کو جوان کی دوست ہوتیں تھیں تحائف دینا چاہتے تھے۔ چونکہ ان دنوں بیکاری عام تھی اور روزگار ملتا نہیں تھا۔ اس لیے لڑکے لوگوں کی چیزیں چرا کر سستے داموں بیچ ڈالا کرتے تھے اور حاصل شدہ رقم سے تحائف خرید کر لڑکیوں کو دیدیا کرتے تھے۔ دونوں گھر دیوا جل جاتا تھا لڑکے تحفے دے کر خوش ہوجاتے تھے۔ لڑکیاں تحفے لے کر خوش ہوجاتی تھیں۔ نہ دینے والوں کا کچھ خرچ ہوتا تھا نہ لینے والیوں کا کوئی نقصان تھا۔

۵۰۔ مشرق، مغرب کا استاد

امریکہ میں ایک مرتبہ ایک مجمع عام میں حضرت مفتی صاحب نے صداقت اسلام پر ایک لیکچر دیا۔ لیکچر کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ ”ایک وقت تھا جب ہم سمجھتے تھے کہ مشرق کے لوگ جاہل اور وحشی ہیں اور وہاں ہم اپنے مشنری بھیجتے تھے۔ یا اب یہ وقت آگیا ہے کہ مشرق نے سمجھا کہ روحانی علوم میں ہم اہل مغرب جاہل ہیں۔ اور اس نے ہماری روحانی تعلیم کے لیے اپنا مشنری یہاں بھیجا ہے۔ عجیب زمانہ کا دور ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔“

۵۱۔ کیا عیسائیت عالمگیر مذہب ہے

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد لندن میں ایک دفعہ ایک پادری صاحب کھڑے ہوے بڑے زور شور کے ساتھ عیسائیت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور یہ ۱۹۱۷ء کا ذکر ہے۔ اتفاق سے حضرت مفتی صاحب کا ادھر سے گذر ہوا وہ بھی

کھڑے ہو کر سننے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا ”صاحب یہ کتنا عمدہ اور کیسا اعلیٰ درجہ کا مذہب ہے جس کا ذکر آپ فرما رہے ہیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بتا سکتے ہیں کہ اس مذہب کا نام کیا ہے؟ اور اس کے پیرو دنیا کے کس حصہ میں رہتے ہیں؟“

اس پر پادری صاحب نہایت اخلاق اور محبت سے فرمانے لگے ”اوہو! آپ کو معلوم نہیں۔ اس محبت والے مذہب کا نام عیسائیت ہے۔ سارے یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں عیسائی پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بہت سے عیسائی پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی بہت معقول تعداد عیسائیوں کی موجود ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کو اس مذہب کا اب تک پتہ نہیں؟

اس پر حضرت مفتی صاحب نے نہایت حیرت کے لہجہ میں فرمایا۔ ”اوہ! آپ کی مراد عیسائیت سے ہے! جس کی تعلیم کی خوبی کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے جرمن اور آسٹرین ہیں جنھوں نے یورپ میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ایک عالم کو تباہ و برباد کر دیا۔“

حضرت مفتی صاحب کی اس تقریر پر پادری صاحب نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا ”اوہ! یہ لوگ مسیح کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔ ورنہ ایسے کام کا ان سے ظہور نہ ہوتا“۔

حضرت مفتی صاحب بولے۔ ”اچھا تو پھر کوئی عمل کرتا بھی ہے؟ انیس سو سال کی تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ یہ تعلیم صرف وعظ کرنے اور گرجوں میں پڑھنے کے لیے ہے۔ عملی زندگی میں کوئی شخص اس پر عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔ سوائے چند درویشوں اور راہبوں کے جو دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشین ہو گئے ہوں“۔

پادری صاحب۔ اچھا کوئی تو کر سکتا ہے۔ اور بہت سوں نے عمل کیا بھی ہے۔

صادق۔ تو پھر یہ مذہب ان چند تارکان دنیا کے واسطے تھا جو مسیح کے ساتھ تھے۔ اور صرف اُس زمانہ کے لیئے تھا۔ یہ ایسا عالمگیر نہیں ہے جس کو ہر پیشہ کا آدمی ہر زمانہ میں آسانی کے ساتھ قبول کر سکے اور اس پر اپنی روزانہ زندگی میں عمل کر سکے۔

اس پر پادری صاحب کچھ خاموش سے ہو کر چلے گئے۔

۵۲۔ ایک میں تین

لندن میں ہائیڈ پارک ایک مشہور و معروف سیر گاہ ہے جہاں بکثرت لوگ شام کو سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب بھی اپنے قیام لندن کے ایام میں وہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ تا کہ حسب موقع لوگوں کو تبلیغ کریں۔ ایک روز جو وہاں گئے تو دیکھا کہ آدمیوں کا ایک مجمع لگا ہوا ہے اور ان کے درمیان میں ایک پادری صاحب کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے ہیں۔ ایسے نظارے وہاں روز ہی دیکھنے میں آتے تھے۔ مجمع کے پیچھے مفتی صاحب بھی پادری صاحب کی تقریر سننے کھڑے ہو گئے۔ اور کچھ منٹ کے بعد مفتی صاحب نے بلند آواز سے کہا "پادری صاحب! میرا بھی ایک سوال ہے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر اسے حل کر دیں گے؟"

مجمع میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ جب مفتی صاحب نے یہ کہا تو انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور فوراً ادھر ادھر ہو کر مفتی صاحب کے لیے جگہ کر دی۔ مفتی صاحب مجمع میں سے گذر کر پادری صاحب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس پر پادری صاحب فرمانے لگے "میں آپ کے سوال کا جواب بڑی خوشی سے دوں گا۔ فرمائیے کیا سوال ہے؟"

مجمع میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی اور ہر شخص مفتی صاحب اور پادری کے باہمی سوال و جواب کا اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔

مفتی صاحب نے پوچھا "پادری صاحب! آپ جو تقریر ابھی فرما رہے تھے اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدا نے اولاد چاہی تو اس کے ایک بیٹا ہوا۔ مگر اس میں کیا راز ہے کہ اسکے کوئی بیٹی نہیں ہوئی؟"

حضرت مفتی صاحب کے اس سوال پر حاضرین بڑے خوش ہوئے۔ خصوصاً عورتیں۔ اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہاں پادری صاحب سوال بڑا معقول ہے اس کا جواب دیں اور ضرور دیں۔

پادری صاحب۔ آپ بہت شریف آدمی ہیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر

بتلائیں گے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

سامعین۔ (بہت بلند آوازوں کے ساتھ) یہ سوال کا جواب نہیں ہے پادری صاحب! اس جنٹلمین کی بات کا جواب دیں۔ اور ادھر ادھر کی باتیں نہ بنائیں۔

پادری صاحب۔ (ایک شخص سے مخاطب ہو کر جو بہت بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا) تم کو کیا۔ وہ سوال کرنے والے ہیں میں جواب دینے والا ہوں تم کیوں خواہ مخواہ بیچ میں اپنی ٹانگ اڑاتے ہو؟

صادق۔ پادری صاحب! میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کی خواہش کو پورا کریں اور میرے سوال کا جواب دیں۔

پادری صاحب۔ (مفتی صاحب کو مخاطب کر کے) آپ واقف نہیں ہیں یہ دراصل یہودی ہے جو بہت بڑھ بڑھ کر بول رہا ہے۔

صادق۔ یہودی ہے تو کیا ہوا بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو یہودیوں کا نہایت درجہ شکر گذار ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ "خدا کے بیٹے" کو صلیب پر نہ چڑھاتے تو عیسائیوں کی نجات نہ ہوتی۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

اس پر حاضرین نے بڑے زور کا ایک قہقہہ لگایا۔ اور پادری صاحب سٹ پٹا کر کہنے لگے کہ "یہ تو آپ نے اور نیا سوال کر دیا"۔

سامعین۔ اس کا بھی جواب دو۔

صادق۔ اچھا نمبر وار جواب دیجیئے۔ پہلے وہ پیچھے یہ۔

پادری صاحب۔ آپ ان لوگوں کی باتوں کا خیال نہ کریں۔ خداوند نے فرمایا ہے کہ مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دو۔

صادق۔ پادری صاحب! میں آپ کے شہر میں نیا نیا آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے طور طریق کی ابھی کچھ واقفیت نہیں ہے۔ مہربانی کر کے مجھے سمجھا دیجیئے کہ کیا اس عیسائی ملک میں جب کوئی مر جاتا ہے تو اسے وہ لوگ دفن نہیں کرتے جو زندہ ہیں۔ بلکہ قبروں میں سے پرانے مُردے کفن پھاڑ کر نکل آتے ہیں اور نئے مُردوں کو دفن کرتے ہیں؟

پادری صاحب۔ یہ تو تیسرا سوال ہو گیا۔

حاضرین۔ (متفقہ طور پر) تینوں کا جواب دو۔

پادری صاحب۔ آپ نے یہ نہ بتایا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

صادق۔ میں ہندوستان سے آیا ہوں۔

پادری صاحب۔ اوہ! بڑی خوشی کی بات ہے۔ میری بیوی بھی ہندوستان میں پیدا ہوئی تھی۔

صادق۔ تب تو وہ میری ہم وطن ہے۔ میں اس سے ضرور ملوں گا۔

سامعین۔ پادری صاحب! اس جنٹلمین نے جو سوالات کیے ہیں یا تو ان کے جواب دو۔ یا پھر کہہ دو کہ مجھے جواب نہیں آتے؟ تا کہ بے فائدہ وقت ضائع نہ ہو۔

پادری صاحب۔ میں نہایت دیانتدار آدمی ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر مجھے جواب نہیں آتے تو کوئی حرج نہیں۔ میری بیوی بہت ہوشیار اور فاضل عورت ہے۔ وہ آپ کو ان سوالات کا جواب تسلی بخش طور پر دے گی۔

اور ہاں یورپ کے رہنے والے سالن پکانا بالکل نہیں جانتے۔ میری بیوی بہت اچھا سالن پکاتی ہے۔

صادق۔ یہ سن کر تو اور بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ مہربانی فرما کر مجھے بتائیے میں اسے کہاں پر مل سکوں گا؟

پادری صاحب۔ وہ اکثر یہاں آیا کرتی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے وہ بائبل کی آیات اپنی ٹوپی پر لکھا کرتی ہے۔ آپ اسے یہاں صدہا آدمیوں کے درمیان پہچان لیں گے۔ جب وہ یہاں آئے گی۔

صادق۔ میں پہچاننے میں کچھ زیادہ ہوشیار نہیں۔ آپ میرا پتہ لے لیں اور وقت مقرر کر کے اپنی بیوی کو مجھ سے ملائیں۔ اور ہاں آپ کا نام کیا ہے۔

پادری صاحب۔ مجھے لوگ ''اولڈ جو'' کہتے ہیں۔

صادق۔ گڈ نائٹ ''مسٹر اولڈ جو''

یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب وہاں سے چلے آئے۔ اور اب لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ پادری صاحب کو جواب نہیں آتے۔ نہ معلوم بعد میں کیا ہوا؟

۵۳۔ بڑا گنہگار کون؟

۱۸/ اگست ۱۹۱۷ء کے الفضل میں حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک مباحثہ کی کیفیت شائع کرائی تھی جو ہائیڈ پارک لندن میں آپ کا ایک پادری صاحب سے ہوا تھا۔ مباحثہ نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے۔ لیجئے سنیے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔

ہائیڈ پارک کی سیر گاہ میں ایک کیتھولک پادری صاحب کے ساتھ میری گفتگو بعض مذہبی مسائل پر ہو رہی تھی۔ اس کو سن کر ایک صاحب جو بعد میں معلوم ہوا کہ پروٹسٹنٹ پادری ہیں۔ مجھے علیحدہ ایک طرف لے گئے۔ اور فرمانے لگے ''آپ نے پادری کو خوب لاجواب کیا۔ مگر میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا بڑی خوشی سے فرمائیے'' کہنے لگے:۔

''دیکھو آدم اور حوا کے گناہ گار ہو جانے سے سارا جہان گنہگار ہو گیا۔ پس محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی گنہگار تھے۔ وہ ہمارے شفیع نہیں ہو سکتے۔ مگر آپ مانتے ہیں کہ یسوع بے گناہ تھا'' میں نے کہا ''جناب میں نے کس دن آپ کے یہ اقرار نامہ لکھا کہ یسوع بے گناہ ہے''۔ کہنے لگے ''تو کیا آپ اس کو گنہگار جانتے ہیں؟'' میں نے کہا ''میرا جاننا نہ جاننا الگ بات ہے۔ لیکن جو فلسفہ آپ نے قائم کیا ہے کہ سب لوگ اس واسطے گنہگار ہیں کہ آدم حوا گنہگار تھے۔ اگر اس کو درست مانا جائے تو آپ ہی بتلائیے کہ آپ کی بائبل کے مطابق پہلا اور بڑا گنہگار کون تھا؟ آدم یا حوا۔ مرد یا عورت؟'' پادری صاحب فرمانے لگے کہ ''حوا جو عورت تھی'' میں نے کہا خوب! تو پھر آپ کے اصول کے مطابق مریم جو آدم اور حوا کی اولاد تھی گنہگار ٹھیری اور چونکہ یسوع صرف عورت سے پیدا ہوا اس واسطے وہ زیادہ گنہگار ٹھیرا۔ بہ نسبت اس کے جو مرد کی اولاد ہوں۔ کیونکہ مرد کم گنہگار ہے۔ اور اولاد میں طرفین کی اوسط آتی ہے۔''

اس پر پادری صاحب بہت گھبرا کر بھاگے اور ایک لیکچر کے مجمع میں جا گھسے میں بھی ان کے پیچھے بھاگا مگر وہ میری منت کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ اب اس وقت جانے دیں۔

۵۴۔ بتوں کے شہر میں ایک بت تراش

حضرت مفتی صاحب کو حضرت خلیفۂ اوّل نے ۱۹۱۰ء میں ایک تبلیغی جلسہ میں شمولیت کے لئے مونگھیر بھیجا تھا۔ وہاں سے واپسی پر حضرت مفتی صاحب بنارس میں بھی اترے تھے۔ بنارس کو حضرت مفتی صاحب نے ''بتوں کا شہر'' بتایا ہے۔ اور یہ واقعہ کے لحاظ سے نہایت ہی صحیح لقب ہے۔ جو اسے حضرت مفتی صاحب نے دیا ہے۔ قدم قدم پر بت خانہ موجود ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ سارے شہر میں کوئی پندرہ سو کے قریب بت خانے ہیں۔ اور ان میں رکھے ہوئے بتوں کی تعداد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہوسکتا مگر ہمیں ان جھگڑوں سے کیا مطلب بت جانیں اور ان کے پوجنے والے جانیں۔ ہمیں تو یہاں ایک مزیدار مکالمہ بیان کرنا ہے جو بنارس میں ایک بت تراش سے حضرت مفتی صاحب کا ہوا۔

حضرت مفتی صاحب بنارس کی ایک تاریخی مسجد دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ واپسی میں ایک بازار میں سے گذر رہے تھے کہ دیکھا ایک بڑی سی دوکان میں کئی بت تراش بیٹھے لوہے کے ہتھیاروں سے اَن گھڑ پتھروں کو بتوں کی صورت میں منتقل کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب ٹھہر گئے اور جو بت تراش دکان کے باہر بیٹھا اپنے کام میں مشغول تھا اس سے پوچھنے لگے میاں یہ تم کیا کر رہے ہو؟

بت تراش۔ ہم مورتیاں بنا رہے ہیں۔

صادق۔ اچھا مورتیاں بنا کر پھر ان کا کیا کرتے ہو؟

بت تراش۔ ان کو فروخت کر دیتے ہیں۔

صادق۔ کون لوگ تم سے یہ مورتیاں خرید کر لے جاتے ہیں؟

بت تراش۔ ہندو لوگ لے جاتے ہیں۔

صادق۔ لے جا کر وہ لوگ ان کا کیا کرتے ہیں؟

بت تراش۔ وہ ان کی پوجا کرتے ہیں۔

صادق۔ کیا تم بھی ان مورتیوں کی پوجا کرتے ہو؟

بت تراش۔ ہاں ہم بھی کرتے ہیں۔

صادق۔ یہ عجیب بات ہے۔ خود ہی ان مورتیوں کو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ اور پھر انہیں خدا سمجھ کر خود ہی ان کو پوجتے ہو؟

بت تراش۔ واہ صاحب واہ۔ یہ آپ نے اچھی کہی۔ اگر ہم ہی ان مورتیوں کی پوجا نہ کریں تو پھر دوسرے لوگ ہم سے کیوں خریدیں۔

اس پر مفتی صاحب سوچتے ہوئے چلے آئے کہ بت پرستی کے جواز میں کیسی عجیب و غریب دلیل ہے!!!

۵۵۔ مولوی محمد احسن کا پیغام بر

حضرت مفتی صاحب کی روایت ہے کہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ایک مرتبہ میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضور گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ کسی آدمی نے دروازہ پر دستک دی۔ میں باہر آیا تو ایک شخص کھڑا تھا کہنے لگا کہ مجھے امرتسر سے مولوی محمد احسن نے بھیجا ہے اور مجھے حضورؑ سے ایک بہت ہی ضروری بات کہنی ہے میں نے کہا مجھ سے کہہ دو میں حضورؑ سے عرض کر دوں گا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ نہیں مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا ہے کہ خود حضورؑ سے کہنا۔

خیر میں نے اندر جا کر حضورؑ سے واقعہ عرض کر دیا۔ حضورؑ نے اسے اندر بلا لیا تو اس نے کہا حضورؑ! مجھے مولوی محمد احسن صاحب نے یہ پیغام دے کر حضورؑ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ فلاں مولوی سے میرا مباحثہ ہوا۔ میں نے بحث میں اسے ایسا لتاڑا ایسا پچھاڑا۔ ایسی شکست دی۔ ایسا اس کا منہ بند کیا کہ اسے سانس نہیں آیا۔ جواب نہیں دے سکا۔ اور چپ کا

چپ رہ گیا۔

حضرت صاحب نے متبسم ہوکر فرمایا ''میں نے تو یہ سمجھا کہ تم مولوی صاحب کی طرف سے یہ خبر لائے ہو کہ یورپ مسلمان ہوگیا۔''

۵۶۔ سچا عیسائی کون ہے؟

۱۹۲۶ء میں جب حضرت مفتی صاحب ناظر امور خارجہ تھے تو ان کو سلسلہ کی ایک ضرورت سے جالندھر جانا پڑا۔ راستہ میں ایک عیسائی سے ان کا دلچسپ مباحثہ ہوا۔ جس کی کیفیت انہی کے الفاظ میں سنیئے:۔

''جب ہماری گاڑی جالندھر کے قریب پہنچی تو اتفاقاً اسی گاڑی میں ایک پادری صاحب بھی بیٹھے تھے۔ ان سے کچھ مذہبی گفتگو شروع ہوگئی۔ بائبل اور قرآن کریم پر تھوڑا سا مباحثہ ہونے کے بعد گفتگو نے اس طرح پلٹا کھایا کہ بات سچا عیسائی کون ہے؟

پادری صاحب کہتے تھے کہ تثلیث اور کفارہ کے عقائد کے ساتھ سچے عیسائی ہم ہیں۔ اور میں کہتا تھا کہ سچے عیسائی ہم مسلمان ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ کو مانا اور پھر حضورؐ کے بعد اس زمانہ میں مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کیا۔

میں نے کہا پادری صاحب ماننا اور قبول کرنا صرف زبان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ طریق عمل سے ہوا کرتا ہے۔ مسیح ناصری کا ایک ضروری حکم ہے کہ جو کچھ کوئی تم سے مانگے اسے دیدو۔ پس اس حکم کے پیش نظر میں یہ چھوٹی سی انجیل جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ اپنے یسوع کے فرمان کی تعمیل میں یہ کتاب مجھے مرحمت فرمادیں۔ پس میں سمجھ لوں گا کہ آپ یسوع کے احکام کی دل سے عزت کرنے والے ہیں۔ مگر پادری صاحب نے اس انجیل کے دینے سے صاف انکار کردیا۔

اب میں نے کہا سنئے پادری صاحب! میرے پاس اس وقت جو کچھ ہے۔ اس میں سے جو چیز آپ چاہیں بلا تکلف مجھ سے مانگ لیں میں فوراً بلا تامل آپ کو دیدوں گا۔ مانگئے

آپ کیا مانگتے ہیں؟

درحقیقت یہ بات میں نے پادری صاحب سے بڑی صداقت کے ساتھ کہی تھی۔ اور اسی نیّت سے کہی تھی کہ جو کچھ بھی اس وقت میرے پاس ہے اس میں سے جو کچھ پادری صاحب مانگیں گے میں بلا تامل ان کے حوالے کردوں گا۔ اور اس طرح میں ایک مسلم اور ایک عیسائی کے درمیان ظاہراً فرق لوگوں کو دکھانا چاہتا تھا جو اس وقت گاڑی میں سفر کررہے تھے۔ اور ہم دونوں کی گفتگو بڑے شوق اور نہایت توجہ کے ساتھ سن رہے تھے۔ مگر سخت حیرت ہے کہ نہ تو پادری صاحب کو اتنی توفیق ملی کہ وہ اپنی کتاب مجھے دے دیتے اور نہ ان کو اتنی جرأت ہوئی کہ مجھ سے کچھ مانگتے۔

اس پر خود اس کے رفیقوں نے اسے شرمندہ کیا۔ اور بات ختم ہوگئی۔

۵۷۔ معاملہ میں اور۔ مذہب میں اور

جب حضرت مفتی صاحب لندن میں تھے تو ایک دن اپنے ایک دوست کے ساتھ لندن کے بازار میں سے گذر رہے تھے کہ ان کے دوست کی نظر ایک دوکان کے سائن بورڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا:۔

''Trinity Book Shop''

یعنی ''تثلیث مقدس کا کتب خانہ'' یہ پادری صاحبان کی کتابوں کی فروخت کی دوکان تھی۔ اور مفتی صاحب کے دوست جانتے تھے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر انجان بن کر انھوں نے دکان پر جو پادری صاحب بیٹھے تھے ان سے پوچھا کہ تثلیث سے آپ کی کیا مراد ہے؟

پادری صاحب۔ تثلیث سے مراد ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ تینوں خدا ہیں۔ مگر خدا تین نہیں بلکہ صرف ایک ہے۔ یہ ایک روحانی راز ہے کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔

اس پر مفتی صاحب نے پادری صاحب کو سمجھایا کہ یہ بات جو آپ نے کہی

اصولاً بالکل غلط ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ تین ایک ہوں ایک تین ہو۔

گفتگو ہوتی رہی۔ پادری صاحب اپنی بات پر مصر رہے اور مفتی صاحب اپنی بات پر۔
جب گفتگو لمبی ہونے لگی تو حضرت مفتی صاحب نے قریب کی میز سے ایک کتاب لی جس کی قیمت اس پر تین شلنگ لکھی ہوئی تھی۔ اور پادری صاحب سے کہا

جناب! میں یہ لینا چاہتا ہوں

پادری صاحب۔ شوق سے لیجیے۔

صادق۔ اس کی کیا قیمت ہے؟

پادری صاحب۔ تین شلنگ۔

مفتی صاحب نے مسکراتے ہوئے جیب میں سے ایک شلنگ نکالا۔ اور پادری صاحب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا

لیجیے اس کی قیمت

پادری صاحب نے ایک شلنگ دیکھ کر کہا

جناب! آپ کو شاید خیال نہیں رہا۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اس کتاب کی قیمت تین شلنگ ہے۔

صادق۔ کچھ مضائقہ نہیں تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ لہذا اس ایک کو آپ قبول فرمائیں۔

پادری صاحب۔ (ہنستے ہوئے) جناب معاملہ کی اور بات ہے مذہب کی بات اور ہے۔

صادق۔ یہ عجیب مذہب ہے کہ معاملہ کے وقت کچھ اور ہو جاتا ہے پادری صاحب! اگر آپ مذہب اسلام کا مطالعہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ ہر حال میں ایک ہی جیسا رہتا ہے۔ خواہ ہم بازار میں ہوں، خواہ مسجد میں۔

۵۸۔ امریکہ کے لوگوں کی جہالت

امریکہ کے لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ہر اس شخص کو جو ہندوستان سے امریکہ جائے ''ہندو'' کہتے اور سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو۔ اور ان کی یہ ناواقفیت بعض مرتبہ بڑی مضحکہ خیز ہو جاتی ہے چنانچہ جب مفتی صاحب تبلیغ کے لیے امریکہ تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے اخبارات نے لکھا کہ ''ہندوستان سے ایک ہندو امریکہ کے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے آیا ہے۔''

اسی قسم کا ایک دوسرا مضحکہ خیز واقعہ ۲۴ مئی ۱۹۴۲ء کو مہمان خانہ قادیان میں بیٹھے ہوئے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری اور دیگر احباب کو مفتی صاحب نے سنایا۔

میں ایک مرتبہ امریکہ کے ایک شہر میں تبلیغ کے لیئے گیا۔ میرے آنے کی خبر سن کر ایک مقامی روزانہ اخبار کا رپورٹر میرے پاس آیا تا کہ مجھ سے میرے مشن کے متعلق حالات معلوم کر کے اخبار میں شائع کرائے۔ میں سمجھتا تھا کہ اخباروں کے رپورٹروں کی کتنی لیاقت اور کس قدر قابلیت ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے اس رپورٹر کو بہت واضح الفاظ میں کئی مرتبہ سمجھایا کہ میں اگرچہ ہندوستان سے آیا ہوں۔ مگر میں ہندو نہیں ہوں۔ دوسری بات احتیاطاً میں نے اسے یہ بتائی کہ میں نبی نہیں ہوں بلکہ صرف مسلمان ہوں۔ اور اسلام کی تبلیغ کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں نے اسے یہ بات کئی کئی مرتبہ بتائی اور اس نے بھی کہا کہ جی میں بخوبی سمجھ گیا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں۔ لیکن جب دوسری صبح اخبار شائع ہوا۔ تو اس میں جلی عنوان سے لکھا ہوتا

"A Hindu Prophet in our city"

''یعنی ایک ہندو نبی ہمارے شہر میں۔''

۵۹۔ دولتخانہ اور غریب خانہ

حضرت مفتی صاحب نے ۲۷/ اکتوبر ۱۹۱۰ء کے اخبار بدر میں ایک نہایت دلچسپ اور پر لطف واقعہ بیان کیا ہے۔ جو ہم وہاں سے نقل کر کے خود انہی کے الفاظ میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔

مہاجرین قادیان کے لئے دارالامان سے باہر رہنا بہت ہی مشکل ہے وہ لوگ بیرونی دلچسپیوں کے تعلقات سے اپنے دل کو بالکل فارغ کر چکے ہیں۔ ان کے لئے اس مقدس صحبت کی ایک گھڑی باہر کی ہزار نعمتوں اور دولتوں سے بڑھ کر راحت دہ اور طمانیت بخش ہے اور وہ اپنی خوشی سے کبھی ایک دن کے واسطے بھی اس مقام کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ جگہ صحیح معنوں میں ان کا **دولت خانہ** ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ میں ریل میں بیٹھا ہوا کہیں جا رہا تھا کہ ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ ”جناب کا دولت خانہ کہاں ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ جناب! آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ اور بتلانے والا بتلاتا ہے کہ میرا غریب خانہ وہاں ہے۔ ان ہر دو الفاظ کا استعمال سائل و مسئول کے واسطے تہذیب میں داخل ہے بہت ممکن ہے کہ جواب دینے والے صاحب کا خانہ اصلی معنی میں ہی غریب خانہ ہو۔ اور ممکن ہے کہ بسببِ انکسار ان کے واسطے جواب میں ایسا ہی کہنا مناسب ہو۔ لیکن میرا معاملہ خاص ہے۔ میرے قبضہ میں ایک غریب خانہ ہے اور ایک دولت خانہ بھی میرا ہے۔ اگر میں آپ کو صرف اپنا غریب خانہ ہی بتلاؤں تو یہ کافی نہ ہوگا۔ اور اگر میں آپ کو اپنا دولت خانہ بتاؤں جس کا ذکر میرے واسطے موجب فخر ہے تو شاید آپ دل میں خیال کریں کہ یہ شخص مہذب گفتگو سے نابلد ہے۔ اس لئے میں ہر دو کا ذکر کر دیتا ہوں۔ لیجیے سنیے۔ میرا غریب خانہ تو بھیرہ ضلع شاہ پور میں ہے۔ جہاں میں پیدا ہوا تھا۔ میرے آبا وَ اجداد کا بنایا ہوا غریب خانہ جھونپڑا اب تک وہاں موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک دولت خانہ تک رسائی بخشی ہے۔ جہاں سے مجھے ظاہری اور باطنی دولت ملتی

ہے۔ دولت خانہ قادیان میں ہے۔

۶۰۔ مہدی آباد

۱۹۱۶ء میں جب مفتی صاحب حیدر آباد گئے تو ریل میں گوالیار کے قریب ایک پیر مرد مقبول صورت ان کے درجہ میں سوار ہوئے۔ ان کو دیکھتے ہی مفتی صاحب کی طبیعت مائل ہوئی کہ اس شخص کو تبلیغ کرنی چاہیے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہونے سے قبل دعا کرنے لگے کہ اتنے میں انھوں نے خود ہی گفتگو شروع کر دی۔

پیر مرد۔ آپ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

صادق۔ مہدی آباد میں۔

اس پر انھوں نے بھی اس لفظ کو دہرایا اور پھر چپ سے ہو گئے۔ گویا یہ سوچتے ہیں کہ مہدی آباد کہاں ہے؟ چند منٹ کے بعد بولے۔

پیر مرد۔ مہدی آباد کہاں ہے جناب؟

صادق۔ جہاں منارۃ البیضاء ہے۔

پیر مرد۔ اوہ! بہت دور کے رہنے والے ہیں آپ۔ منارۃ البیضاء پھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد بولے

پیر مرد۔ جناب منارۃ البیضاء کہاں ہے؟

صادق۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوئے۔

پیر مرد۔ (نہایت تعجب سے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام!

صادق۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اس پر پھر کچھ سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگے۔

پیر مرد۔ تو جناب! مہدی آباد کس علاقے میں ہے۔ کیا اس شہر کا کوئی دوسرا نام بھی ہے؟

صادق۔ ہاں اس کا نام قادیان ہے اور وہ پنجاب میں ہے۔ حضرت مہدی کے

وہاں ظاہر ہونے کی وجہ سے میں نے اسے مہدی آباد کہا ہے۔

پیر مرد۔ اور [illegible]دیان! جہاں مر[illegible] احمد صاحب ہوئے ہیں۔

صادق۔ جی ہاں وہی قادیان۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے حضرت کے حالات سنانے شروع کیے۔ درمیان میں وہ سوالات کرتے گئے اور مفتی صاحب جواب دیتے رہے۔ پھر مفتی صاحب نے کتاب تحفۃ الملوک ان کی خدمت میں پیش کی جس کا وہ کئی سٹیشن تک مطالعہ کرتے رہے۔ پھر مفتی صاحب نے ان کو شرائط بیعت بتلائے۔ انھوں نے بڑی خوشی سے احمدیت کو قبول کیا اور بیعت کا خط اسی وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حضور میں بھیج دیا۔ ان کا نام قاضی عبدالرحیم تھا۔

٦١۔ سبز پگڑی

جب حضرت مفتی صاحب انگلستان سے روانہ ہو کر بغرض تبلیغ امریکہ پہنچے تو ساحل پر اترنے سے پہلے ایک ڈاکٹر جہاز ہی پر آیا۔ تاکہ مسافروں کا طبی معائنہ کرے اور جن کو ناقابل سمجھے ان کو اترنے کی اجازت نہ دے۔ وہاں طبی معائنہ بہت سخت ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی آنکھوں میں روہے تھے اور ایسے مریض کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ مفتی صاحب نے بہت الحاح اور زاری کے ساتھ خداوند کریم کے حضور دعا کی۔ اور پھر ان مسافروں کی قطار میں جا کھڑے ہوئے جن کا طبی معائنہ ہونا تھا۔ معائنہ کرنے والا ڈاکٹر جب معائنہ کرتا کرتا مفتی صاحب کے پاس آیا۔ تو انکی سبز پگڑی دیکھ کر کہنے گا" کیا آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟

صادق۔ جی ہاں میں ہندوستانی ہوں۔ پہلے ہندوستان سے انگلستان آیا اور اب انگلستان سے یہاں آیا ہوں۔

ڈاکٹر۔ یہ سبز کپڑا جس کی آپ پگڑی پہنے ہوئے ہیں کہاں کا بنا ہوا ہے؟

صادق۔ جناب یہ کپڑا بھی ہندوستان کا بنا ہوا ہے۔

ڈاکٹر۔ اس رنگ کو عورتیں تو بہت پسند کرتی ہوں گی۔ بڑا خوبصورت رنگ ہے۔

ڈاکٹر کے یہ کہنے پر حضرت مفتی صاحب نے فوراً اپنے سر سے پگڑی اتار کر ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیدی اور فرمانے لگے کہ اگر عورتوں کو یہ رنگ پسند ہے تو میری طرف سے یہ پگڑی اپنی بیگم صاحبہ کو دیدیجیئے۔ میں تحفۃً ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ نہیں یہ آپ رکھیں۔ آپ کو ضرورت ہوگی۔

صادق۔ میرے پاس دوسری پگڑی موجود ہے۔ یہ آپ لے جائیں ڈاکٹر نے پگڑی تو نہ لی مگر مفتی صاحب سے گفتگو کر کے خوش بہت ہوا۔ کہنے لگا

آپ کی صحت بہت اچھی ہے۔ آپ بے شک امریکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہہ کر سرٹیفکیٹ لکھ دیا۔

محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ معائنہ کی نوبت نہ آئی۔ ورنہ مفتی صاحب کا امریکہ میں داخلہ ناممکن تھا۔ وہ اپنے بندوں میں جس سے چاہتا ہے خاص معاملہ کرتا ہے۔

٦٢۔ ایک خواب جو بعینہ پورا ہوا

جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حکم کے ماتحت حضرت مفتی صاحب انگلستان سے امریکہ تبلیغ کے لیے جانے لگے تو آپ نے استخارہ کرنے پر ایک خواب دیکھا جیسے آپ امریکہ کے شہر نیویارک میں اسلام کی صداقت پر ایک لیکچر دے رہے ہیں۔ جب لیکچر ختم ہو گیا تو سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔ صرف ایک نوجوان عورت بیٹھی رہ گئی۔ مفتی صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیوں بیٹھی ہو۔ تو اس نے کہا کہ مجھے اسلام بہت پیارا مذہب معلوم ہوتا ہے ۔ کیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل کر سکتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا میں اسی کام کے لیے تو یہاں آیا ہوں۔ پھر مفتی صاحب نے کلمہ شہادت پڑھا کر اس لیڈی کو مسلمان کیا اور اس کا نام فاطمہ مصطفیٰ رکھا۔

نہایت عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب امریکہ پہنچ گئے۔ اور نیویارک میں

آپ نے لیکچر دیا۔ توبعینہ وہی واقعہ جوانھوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اسی طرح ظاہر میں واقع ہوا۔ مفتی صاحب نے اس لیڈی کو بتایا کہ میں تو تمھیں بہت پہلے سے جانتا ہوں۔ حیران ہوکراس نے پوچھا ''کس طرح؟'' تب مفتی صاحب نے اپنا انگلستان والا خواب اسے سنایا۔ وہ بھی خواب سن کر تعجب کرنے لگی کہ کس طرح لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔

۶۳۔ ایک ہفتہ کا آگا پیچھا

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب شکاگو سے امریکہ کے شہر آشلینڈ میں تبلیغ کے لیے گئے۔ اس پر اس شہر کے ایک روزانہ اخبار نے لکھا کہ اسلامی مشنری مسٹر محمد صادق کے اس شہر میں آنے اور اسلام پر لیکچر دینے کا شہر میں بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ بعض لوگ نہایت تعجب سے کہہ رہے ہیں کہ ابھی پچھلے ہفتے گرجا میں پادری صاحب نے یہ کہہ کر ہم سے چندہ وصول کیا تھا کہ ملک عرب میں عیسائی مشنری بھیجا جائے گا۔ لیکن آج ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلامی مشنری ہمارے ملک میں آگیا ہے۔ اور عیسائیوں کو مسلمان بنا رہا ہے۔

۶۴۔ ''آپ کی والدہ کہاں ہیں؟''

ہم ہندوستانیوں کو یہ بات کس قدر مضحکہ خیز معلوم ہوگی کہ اہل امریکہ عام طور پر اپنی بیویوں کو ''ماں'' یا ''والدہ'' (Mother) کہہ کر خطاب کیا کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ وہ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ جب ہم اپنی بیوی کو ماں کہیں گے تو ہمارے چھوٹے بچوں کو بھی اپنی والدہ کو ماں کہنے کی عادت پڑے گی۔ ورنہ اگر ہم نے ان کو بیوی کہا تو چھوٹے بچے بھی اپنی ماں کو بیوی کہنے لگیں گے۔

دراصل یہ وجہ بھی نہایت فضول اور لایعنی ہے۔ ہندوستان میں ہر شخص اپنی اہلیہ کو بیوی کہتا ہے۔ مگر چھوٹے بچے کبھی نہیں سیکھتے کہ وہ بھی اپنی والدہ کو بیوی کہنے لگیں۔ مگر ہمیں اس

سے کیا۔ اپنی اپنی زبان۔ اپنا اپنا طریقہ۔ بہر حال وہاں کے لوگوں کی یہ عادت ہے۔ اور اسی عادت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بھی امریکہ میں ایک دفعہ بڑا دلچسپ لطیفہ ہوا۔

ایک روز حضرتِ مفتی صاحب اپنے ایک دوست ایم، آجون سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ ان کے پاس ہمیشہ لوگ آتے رہتے تھے جو بالعموم اپنی بیویوں کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان کی ایک چھوٹی سی بچی تھی جس کی باتیں بڑی پیاری پیاری ہوتی تھیں جب بچی نے مفتی صاحب کو اکیلے بغیر کسی عورت کے دیکھا تو وہ آگے بڑھی اور بڑے ہی ہمدردانہ لہجہ میں مفتی صاحب سے پوچھنے لگی

لڑکی۔ آپ اپنی والدہ کے ساتھ نہیں آئے۔ آپ کی والدہ کہاں ہیں؟

صادق۔ پیاری ننھی میری والدہ نہیں ہیں۔

یہ سن کر چھوٹی بچی کو حقیقتاً بڑا رنج ہوا۔ اور اس نے بہت ہی افسوس کے لہجہ میں کہا۔

لڑکی۔ اے ہے! آپ کی والدہ نہیں ہیں۔ پھر آپ یہ کام کیوں نہیں کرتے کہ ایک والدہ خرید لائیں؟

چھوٹی بچی کے اس بھولے پن پر مفتی صاحب کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور انھوں نے ہنستے ہوئے لڑکی سے کہا

صادق۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں والدہ کو کہاں سے خریدوں تمھیں پتہ ہو تو تم ہی بتاؤ۔

لڑکی۔ دیکھیے اس گلی کے نکڑ پر جو دکان ہے۔ وہاں ہر قسم کی مائیں، اچھی سے اچھی مائیں ملتی ہیں ان میں سے جونسی ماں آپکو پسند ہو انتخاب کرکے لے آئیں۔ آپ فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں۔ میں نے ایک دن اس دوکان پر بہت سی مائیں رکھی ہوئی دیکھی تھیں۔

اب چھوٹی بچی کو کوئی کس طرح سمجھائے کہ وہ دوکان ماؤں کی نہیں بلکہ کھلونوں اور گڑیوں کی تھی۔

۶۷۔ خدا کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے

شکاگو (امریکہ) سے دوسو میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے گرینڈ ہیون۔ وہاں کی ایک انجمن نے ایک مرتبہ نومبر ۱۹۲۳ء میں حضرت مفتی صاحب کو اپنے ہاں اسلام پر لیکچر دینے کے لیے بلایا اور آمد و رفت اور قیام کا سارا خرچ ادا کرنے کا وعدہ کیا ۶۴ روپے کرایہ ریل لگا اور ہوٹل کا بل ۱۲ روپیہ روزانہ علاوہ خرچ خوراک کے انجمن والوں کو دینا پڑا۔ حضرت مفتی صاحب کا لیکچر ''اسلام کی خوبیوں'' پر تھا۔ لیکچر کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔

''اگر میرے لیکچر کے مطابق حاضرین میں سے کوئی صاحب مجھ سے کچھ پوچھنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پوچھ سکتے ہیں''

اس پر اور تو کوئی نہ بولا۔ البتہ ایک پادری کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ''اسلام مذہب امن کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ مسلمانوں نے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ہزاروں عیسائیوں کو قتل کر دیا؟''

''لڑ کے مارا کوئی جائے تو یہ کس کا ہے قصور'' **صادق**

صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں پر حملے نہیں کیے۔ بلکہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملے کر کے ہزاروں کو نہایت بے دردی کے ساتھ ہلاک کر ڈالا۔ ان حملوں میں اگر کچھ آدمی عیسائیوں کے بھی کام آ گئے ہوں تو اس کا الزام مسلمانوں پر کس طرح آ سکتا ہے؟ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ عیسائی حملہ آوروں کے قتل کے ذمہ دار مسلمان ہی ہیں تو مسلمانوں نے زیادہ سے زیادہ اگر عیسائی قتل کیئے ہوں گے تو ایک ملین کیے ہوں گے۔ مگر اس کے بالمقابل گذشتہ جنگ یورپ میں بقول مسٹر سٹاڈرڈ خود عیسائیوں نے اپنے عیسائی بھائیوں کو جس بے دردی اور خونخواری کے ساتھ قتل کیا ہے اس کی نظیر پہلے زمانہ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس جنگ میں خود عیسائیوں کے ہاتھوں جس قدر عیسائی مارے گئے ان کی تعداد چالیس ملین * ہے۔ بظاہر خدا کا منشا ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکثرت عیسائی

* اس گزشتہ جنگ عظیم میں ہلاک شدگان کا اندازہ ایک کروڑ کیا جا رہا ہے جو قریباً سارے کے سارے عیسائی تھے

قتل ہوں۔ اس منشا کو پورا کرنے کے لیے جب خود عیسائیوں نے ۴۰ ملین عیسائی قتل کر ڈالے۔ تو اس میں کیا حرج ہو گیا اگر مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹا کر ایک ملین عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیے۔

اس کے بعد ایک اور پاری صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت سی شادیاں کیوں کیں؟

حضرت مفتی صاحب نے اس سوال کا جو لطیف جواب دیا وہ سننے کے قابل ہے فرمایا:۔

شریعت اور قانون ملک کے مطابق زیادہ شادیاں کرنا گناہ کی بات نہیں بلکہ ثواب ہے۔ اگر آپ کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا گناہ ہے تو اس بات کا جواب دیجئے کہ ابراہیمؑ۔ یعقوبؑ اور داؤدؑ وغیرہ بزرگوں کو جنھوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ کیوں خدا نے پیار کیا اور کیوں ان کو اپنا پیغمبر بنایا؟ اور تمھارے ساری عمر کے مجرد رہنے والے پادریوں میں کیوں ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس سے خدا ہم کلام ہوتا؟ بات یہ ہے کہ خدا انسان کے تقویٰ، پرہیزگاری، نیک نیتی ایمان، اخلاص، محبت الٰہی، اور اعمال صالح کو دیکھتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ اس نے کتنی شادیاں کیں؟ پس اس لحاظ سے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھو تو تمھیں آفتاب سے بھی زیادہ روشن نظر آئے گی۔

اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے اور حاضرین میں سے بعض نے انکو ملامت کی کہ کیوں انھوں نے ایسے لغو سوال کیے۔

۶۸۔ پادری صاحب کو دور کی سوجھی

جب حضرت مفتی صاحب امریکہ میں تھے تو وہاں اکثر شام کے وقت ایک پارک میں چلے جایا کرتے تھے جو شہر کے بیچ میں تھا۔ بہت سے لوگ وہاں تفریح کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اور حضرت مفتی صاحب تقریروں اور گفتگو کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے تھے۔ جس مقام پر کھڑے ہو کر مفتی صاحب تبلیغ کیا کرتے تھے اس کے سامنے ہی تھوڑے فاصلہ

پر ایک پادری صاحب کھڑے ہوکر عیسائیت کی اقت پر لیکچر دیا کرتے تھے۔لیکن مفتی صاحب کے لیکچر میں سامعین کی تعداد علی العموم زیادہ ہوا کرتی تھی۔اور پادری صاحب کے وعظ میں بہت تھوڑے آدمیوں کا مجمع ہوا کرتا تھا۔

جب عرصہ تک یہی رفتار رہی تو ایک روز وہ پادری صاحب حضرت مفتی صاحب کے مکان پر آئے۔اور ادھر ادھر کی معمولی گفتگو کے بعد فرمانے لگے کہ اس کی وجہ بتایئے کہ آپ کے وعظ میں اس قدر زیادہ آدمی کیوں آتے ہیں؟اور میرے ہاں اتنے کم کیوں ہوتے ہیں؟

صادق۔ آپ نے تو اس معاملہ میں غور کیا ہوگا۔آپ ہی بتائیں کہ آپ کے خیال میں اس کا کیا سبب ہے؟

پادری صاحب۔ہاں میں کئی دن سے اس مسئلہ کے متعلق سوچ رہا ہوں۔میری سمجھ میں تو صرف یہ بات آئی ہے کہ چونکہ آپ کی داڑھی ہے اور میری نہیں ہے اس لیے لوگ آپ کیطرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔

صادق۔ اگر محض یہی وجہ لوگوں کی دلچسپی کی ہے تو پھر یہ تو بڑی آسان بات ہے آپ بھی داڑھی رکھ لیں۔

پادری صاحب۔ ہاں اب میں نے بھی کئی دن سوچنے اور دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کرلیا ہے کہ میں بھی داڑھی رکھ لوں گا۔

صادق۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور اس کوشش میں آپ کو کامیابی ہو۔

اس کے بعد پادری صاحب نے واقعی داڑھی رکھ لی اور اسے بڑی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ بڑھانا شروع کیا۔ایک روز بازار میں اتفاقاً مفتی صاحب سے مل گئے۔مفتی صاحب نے پوچھا کہیے پادری صاحب!اب تو آپ نے داڑھی بھی رکھ لی۔اب بھی آپ کے سامعین کی تعداد کچھ بڑھی یا نہیں؟

پادری صاحب۔ ہاں داڑھی رکھ تو لی ہے۔میرے بال تو بے شک بڑھ گئے۔مگر حاضرین کی تعداد میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔نہ معلوم کیا وجہ ہے؟

صادق۔ اگر آپ وجہ پوچھتے ہیں تو لیجئے سنیے۔ لوگ دراصل حق اور صداقت کے بھوکے ہیں۔داڑھی کے بالوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں۔
جدھر سچائی اور اصلیت دیکھیں گے اُدھر ہی زیادہ دلچسپی کے ساتھ متوجہ ہوں گے

٦٩۔ اہل امریکہ کے نزدیک سچے مسلمان کی تعریف

حضرت مفتی صاحب جب امریکہ میں تھے تو وہاں ایک عرب صاحب نے ایک امریکن خاتون سے نکاح کرنا چاہا۔ خاتون موصوفہ مسلمان تو نہ ہوئیں مگر نکاح پر راضی ہوگئیں۔ وہاں کے دستور کے مطابق دونوں رجسٹرار کے دفتر چلے گئے۔نکاح نامہ پر دستخط کر دیے اور رجسٹر میں ان کا نام درج ہوکر نکاح کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔عرب صاحب نے مفتی صاحب کو خط لکھا کہ قانوناً تو ہم میاں بیوی بن گئے ہیں۔لیکن شریعت کے موافق ہمارا نکاح اب تک نہیں ہوا۔ اسی لیے میں نے اس وقت تک اپنی بیوی کو علیحدہ رکھا ہوا ہے۔آپ تشریف لائیں اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ہمارا نکاح پڑھیں۔ تاکہ ہم دونوں اکٹھے رہ سکیں۔

مفتی صاحب ان دنوں نیویارک میں تھے۔اور نیویارک سے ان کا قصبہ سات آٹھ گھنٹے کے فاصلہ پر تھا۔مفتی صاحب نے ان کو لکھ دیا کہ میں آرہا ہوں۔چنانچہ وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے۔ پہلے لیڈی کو تبلیغ کی اور خدا کا شکر ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی۔پھر مفتی صاحب نے دونوں کا نکاح پڑھ دیا۔

مفتی صاحب کے وہاں جانے کی خبر مشہور ہوئی تو ایک مقامی زراعت کالج نے مفتی صاحب کے میزبان کو ٹیلی فون کیا کہ سنا ہے آپ کے ہاں ہندوستان کے کوئی مسلم مشنری آئے ہوئے ہیں۔اگر وہ اسلام کے متعلق ایک لیکچر ہمارے کالج میں آکر دیدیں تو ہم ان کے نہایت شکر گذار ہوں گے۔اگر وہ لیکچر دینے کے لیے تیار ہوں تو ان سے دریافت کر کے ہمیں ازراہ کرم مطلع فرمائیں کہ وہ اس لیکچر کا کیا معاوضہ لیں گے۔؟

میں نے کہا کہہ دیجئے کہ ہم کچھ معاوضہ نہیں لیں گے اور مفت لیکچر دیں گے چنانچہ

انھوں نے ٹیلی فون کر دیا۔ اور لیکچر کا وقت مقرر ہو گیا۔

وقت مقررہ پر مفتی صاحب اپنے میزبان کے ہمراہ کالج پہنچے۔ پرنسپل صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے اور پہلے سارے کالج کی سیر کرائی۔ ایک کمرہ میں مختلف زراعتی پیداوار کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے دیکھیے۔ یہ یورپ کے گیہوں ہیں۔ یہ فرانس کی گندم ہے۔ یہ ہندوستان کے دانے ہیں۔ اور یہ گیہوں یہاں مقامی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارا پیدا کیا ہوا گندم جسامت۔ مضبوطی اور مزے میں تمام دوسرے ممالک کے دانہ ہائے گندم سے بہتر ہے۔ مفتی صاحب نے دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا۔

اس کے بعد پرنسپل صاحب مفتی صاحب کو لیکچر گاہ میں لے گئے۔ وہاں تین سو چار سو کے قریب طلباء تھے۔ جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور لڑکے بھی۔

مفتی صاحب نے پرنسپل صاحب سے پوچھا کہ یہ اتنے سارے طلباء آپ کے کالج سے پاس ہونے کے بعد کیا کریں گے؟

پرنسپل صاحب ہنس کر کہنے لگے ”کریں گے کیا۔ اپنے دیہات میں واپس جا کر اپنے کھیتوں میں زراعت کریں گے۔ اور جو نئے طریقے یہاں سے سیکھ کر جائیں گے اپنے کھیتوں میں ان کو برت کر اپنی پیداوار کو ترقی دیں گے۔“

پرنسپل صاحب کے اس جواب پر مفتی صاحب سوچنے لگے کہ ہمارے ہندوستان کی اور امریکہ کی حالت میں کتنا فرق ہے۔ ہندوستان میں تو اگر کسان کا کوئی بچہ زراعتی کالج پاس کر لیتا ہے۔ تو پھر وہ ہل کو ہاتھ لگانا مہا پاپ سمجھتا ہے۔ اور اسی کوشش میں رہتا ہے کہ کہیں نوکری مل جائے۔

لیکچر شروع ہونے سے پہلے پرنسپل صاحب نے مفتی صاحب کا تعارف اساتذہ اور طلباء سے کرایا کہ یہ ڈاکٹر صادق ہیں جو ہندوستان سے تبلیغ اسلام کے لیے امریکہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ہمارے شہر میں آئے تو میں نے ان سے اسلام پر ایک لیکچر دینے کی خواہش کی جسے انھوں نے مہربانی کر کے منظور کر لیا ہے اب میں ان سے درخواست

کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور ہمیں بتائیں کہ مذہب اسلام کی تعریف کیا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ آپ اس امر کی بالکل پرواہ نہ کریں کہ جو کچھ آپ بیان کریں گے وہ ہمارے معتقدات اور خیالات کے خلاف ہوگا۔ آپ پوری آزادی کے ساتھ جو چاہیں فرما سکتے ہیں۔ ہم خاموشی کے ساتھ اسے سنیں گے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنا لیکچر شروع کیا۔ اور اسلام کی تعریف اسلام کی خصوصیات اور اسلامی تعلیمات پر جس قدر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی بیان کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اسلام زندہ مذہب ہے۔ کیونکہ اس کو خس و خاشاک سے پاک و صاف کرنے کے لیے خدا تعالیٰ ہمیشہ مقدس لوگوں کو بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ اس پُرفتن زمانہ میں بھی خدا نے اپنا ایک فرستادہ ہندوستان میں بھیجا اور اس کو کہا کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ میں اسی مسیح محمدی کا ایک خادم ہوں۔ اور اس کا پیغام امریکہ والوں کو پہنچانے اور ان کو اسلام کی حقیقت بتانے کے لیے اس ملک میں آیا ہوں۔ مبارک وہ جو اس مسیح محمدی کو قبول کرے اور نبی عربی محمد ﷺ کی اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈالے۔

یہ تقریر کر کے جب مفتی صاحب بیٹھ گئے تو پرنسپل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ میں نے ڈاکٹر صادق کو جو اس ملک میں اسلام کا نمائندہ ہو کر آئے ہیں۔ یہاں اپنے کالج میں بلانے اور لیکچر دینے کی دعوت دی۔ آج سے پہلے اسلام کے متعلق میرا یہ خیال اور عقیدہ تھا کہ مسلمان اسے کہتے ہیں جو محمدؐ کے بت کی پوجا کرے۔ اور سچا مسلم وہ ہوتا ہے جو عیسائی کو جہاں موقع ملے فوراً مار ڈالے۔ لیکن آج اس لیکچر سے میرے یہ دونوں خیال کافور ہو چکے ہیں۔ اور میں آدھا مسلمان ہو چکا ہوں۔ اگر ڈاکٹر صادق کے دو لیکچر اور سن لوں تو پھر پورا مسلمان بن جاؤں گا۔ میں نہایت ممنون ہوں ڈاکٹر صادق کا کہ انھوں نے ایسے دلنشین پیرایہ میں اور ایسے روشن دلائل کے ساتھ اسلام کی فوقیت اور حقانیت ہم پر ظاہر کی کہ جہالت اور ناواقفیت کے سارے پردے ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے۔ خدا کرے وہ پھر بھی یہاں آئیں اور ہمیں ان کی بیش بہا مذہبی معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔

۷۰۔ مولوی شبلی سے ملاقات اور لکھنؤ کی زبان

اکتوبر ۱۹۱۰ء میں مدرسہ الٰہیات کانپور کے سالانہ جلسہ کے موقع پر منتظمین مدرسہ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی خدمت میں کانپور آنے اور جلسہ میں شرکت کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ خود تو تشریف نہیں لے جاسکے۔ مگر آپ نے مولوی سرور شاہ صاحب۔ مولوی صدر الدین صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مفتی صاحب کو اپنی طرف سے کانپور بھیج دیا۔ یہ اصحاب ۱۱ اکتوبر کو کانپور پہنچے۔ جلسہ میں شامل ہوئے۔ تقریریں کیں۔ تقریریں سنیں۔ اور ۱۵/ اکتوبر کو لکھنؤ کے راستے سے قادیان روانہ ہوگئے۔

لکھنؤ میں گاڑی تبدیل ہوتی تھی۔ اور چند گھنٹوں کا وقفہ تھا۔ اس لیے یہ لوگ دارالعلوم ندوہ کی سیر کے لیے چلے گئے۔ مگر وہ تعطیلات کی وجہ سے بند تھا۔ یہاں سے ایک طالب علم کو بطور راہنما ہمراہ لے کر شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی سے ملاقات کرنے کے لیئے گئے (خواجہ صاحب اس وقت ساتھ نہیں تھے) مولانا شبلی بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ اور پوچھنے لگے کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ آپ لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا مولوی صاحب، ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ مگر ہم لوگ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے طفیل اُمت میں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے اور حضور علیہ السلام سے فیض حاصل کر کے برابر اس قسم کے آدمی اُمت میں شروع سے ہوتے رہے ہیں جن کو الہام الٰہی سے نوازا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی بتلائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں اور خدا سے خبر پا کر جو شخص پیشگوئی کرے اسے عربی زبان میں نبی کہتے ہیں۔ اس لیے ان معنیٰ کی رو سے ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ احادیث

میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام نبی اللہ کہا گیا ہے۔ آپ عربی زبان کے فاضل ہیں۔ آپ خود ہی بتلائیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے بکثرت غیب کی خبریں پائے اسے عربی میں نبی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں؟

اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا ''ہاں بے شک لغوی لحاظ سے ایسے شخص کو نبی ہی کہا جائے گا۔ اور عربی لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ لیکن عوام اس مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔''

اس کے بعد گفتگو کا رخ پلٹ گیا اور مولوی شبلی صاحب فرمانے لگے کہ

''میں مدت سے ایک بہت مشکل اور اہم مسئلہ کے متعلق سوچ رہا ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے طلبہ کو صرف عربی علوم پڑھاتے ہیں تو ان میں سے وہ پرانی سستی۔ کمزوری اور پست ہمتی نہیں جاتی جو آج کل کے مسلمانوں کے لاحق حال ہو رہی ہے۔ لیکن اگر ان طلباء کو انگریزی علوم کا ایک معمولی چھینٹا بھی دے دیا جاتا ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ دین اور مذہب کو بالکل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس لیے حیران ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ البتہ میں نے آپ صاحبان کی جماعت میں یہ خوبی دیکھی ہے کہ اس کے ممبر انگریزی خواں بھی ہیں اور دین کے بھی پورے طور پر پابند ہیں۔''

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ''پھر مشکل تو آپ نے خود ہی حل کر لی۔'' (اس فقرہ سے مراد مفتی صاحب کی یہ تھی کہ احمدی ہونے سے یہ مشکل دور ہو سکتی ہے۔)

اس کے بعد مولوی شبلی صاحب نے حضرت خلیفۂ اوّل مولانا نورالدین کے علم و فضل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مجھے ان سے ملاقات کا نہایت درجہ اشتیاق ہے۔ ایک دفعہ میں ان کی ملاقات کے لیے قادیان جانے بھی لگا تھا۔ مگر کسی وجہ سے ایک اور طرف جانے کا اتفاق ہو گیا۔ جہاں مجھے ایک حادثہ پیش آیا جس کے سبب اب تو میں معذور بھی ہوں۔''

مولوی شبلی صاحب سے مل کر جب حضرت مفتی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ واپس سٹیشن پر آ رہے تھے تو راستہ میں ایک بڑا دلچسپ لطیفہ ہوا۔ اثناء گفتگو میں حضرت مفتی صاحب نے رفقائے سفر سے کہا کہ ''لکھنؤ کی عمارتیں تو کوئی بڑی شاندار معلوم نہیں ہوتیں البتہ جے پور کی عمارتیں شاندار ہیں''۔ اس وقت اتفاق سے کوئی عورت پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ فقرہ اس نے سنا تو بے ساختہ کہنے لگی ''حضرت! لکھنؤ کی عمارتیں کیا دیکھتے ہو لکھنؤ کی زبان دیکھو۔ میں ایک مرتبہ جے پور گئی تو وہاں کے لوگ اپنے ہاں کی بڑی بڑی عمارتوں کی تعریف کرنے لگے۔ میں نے جل کر جواب دیا کہ عمارتیں بڑی ہیں تو کیا ہوا۔ کبوتر تو جنگلی ہیں۔'' (یعنی آدمی مہذب اور شائستہ نہیں اور ان کی بولی ٹھیک نہیں۔)

۷۱۔ قرآن مجید اور دوسری الہامی کتابیں

حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ایک بوڑھا مغل پاگل ہو گیا تھا اور گلی کوچوں میں آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ اس کا نام میراں بخش تھا۔ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ جن میں حضرت مفتی صاحب بھی تھے صبح کی سیر سے واپس آ رہے تھے اتفاقاً میراں بخش بھی ہمراہ تھا۔ اور حضور کی باتیں سن رہا تھا۔ جب حضور الحکم سٹریٹ میں پہنچے تو آپ کی تقریر اس مضمون پر تھی کہ ''قرآن شریف ہی ایک ایسی الہامی کتاب ہے کہ جس طرح نازل ہوئی تھی اب تک اسی طرح ہے۔ اور دیگر تمام کتب مقدسہ میں کمی بیشی ہو کر وہ قابل اعتبار نہیں رہیں۔ اب مخلوقِ خدا کے واسطے قرآن شریف ہی ایک مکمل ہدایت نامہ ہے۔''

جب حضور کی تقریر ختم ہوئی تو میراں بخش بلند آواز سے پکار اٹھا:۔

سَڑ بَلّ گِلیّاں پوتھیاں ہِکو رّھیا قرآن

یعنی تمام اور کتابیں بے کار ہو گئیں۔ اب صرف قرآن شریف ہی رہ گیا۔ گویا اسطرح اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی تقریر کا خلاصہ اپنی پنجابی زبان میں چند لفظوں میں کر دیا۔

۷۲۔ یسوع کے ناصری کہلانے کا سوال

حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا ایک مرتبہ آپ کو اطلاع ملی کہ سندھ کے فلاں پیر صاحب عیسائیت کی طرف مائل ہیں اور عنقریب عیسوی مذہب اختیار کر لیں گے۔ اس پر حضرت خلیفۂ اوّل نے مفتی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ جائیں اور پیر صاحب کے خیالات کو درست کریں اور ان کو ایسا اقدام کرنے سے روکیں۔ خیر حضرت مفتی صاحب سندھ گئے اور دو رفیقوں کو ساتھ لے گئے۔ ایک شیخ عبدالرحیم نو مسلم اور دوسرے محمد حسن خاں ساکن ریاست خیر پور میرس۔ پیر کو سمجھایا۔ خدا کا شکر ہے کہ مفتی صاحب کی باتیں ان کی سمجھ میں آ گئیں اور کئی دن کی گفتگو کے بعد وہ عیسائی ہونے سے رک گئے۔

پیر صاحب کی طرف سے مطمئن ہو کر حضرت مفتی صاحب نے اپنے رفقاء سفر کے ساتھ حیدر آباد سندھ جانے کا قصد کیا۔ حیدر آباد پہنچ کر وہاں کے بڑے پادری سے ملنا چاہا۔ تا کہ کچھ تبادلۂ خیالات ہو جائے۔ یہ پادری صاحب انگریز تھے اور چرچ آف انگلینڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت اخلاق سے پیش آئے۔ اُردو اچھی جانتے تھے اس لیئے ان سے اُردو میں ہی گفتگو ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے پوچھا:۔

''پادری صاحب! کیا میں آپ سے کوئی مذہبی سوال کر سکتا ہوں؟''

پادری صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ ''ہمارا کام ہی سوالوں کا جواب دینا اور لوگوں کی تسلی کرنا ہے۔ آپ جو سوال چاہیں بے شک پوچھ سکتے ہیں''۔

صادق۔ اس عنایت کے لیے آپ کا نہایت شکریہ! مجھے اس وقت کوئی طویل گفتگو نہیں کرنی۔ صرف ایک مختصر سی بات پوچھنی ہے۔ اور وہ یہ کہ یسوع مسیح کی پیدائش کے وقت یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کو چند مجوسیوں نے بتایا کہ یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس پر بادشاہ بڑا گھبرایا اور کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے۔ انھوں نے کہا ''بیت لحم میں''۔ اس پر بادشاہ نے مجوسیوں سے

اس کے تلاش کرنے کو کہا۔ تا کہ وہ اگر مل جائے تو اسے جان سے مروادے۔ جب بچے کی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تو خداوند کے فرشتے نے مریم کے شوہر یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ ''اُٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کی تلاش میں ہے۔''

چنانچہ فرشتے کی ہدایت کے مطابق یوسف فوراً اپنی بیوی مریم اور یسوع مسیح کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہو گیا۔ ادھر جب ہیرودیس کو ''یہودیوں کا بادشاہ'' نہ ملا تو اس نے غصہ میں آکر بطور پیش بندی بیت لحم اور اس کے قرب وجوار کے وہ تمام بچے جن کی عمر دو برس یا اس سے کم تھی مروا ڈالے۔ اور اپنے نزدیک مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ اس سارے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد انجیل میں لکھا ہے:۔

جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اُٹھ۔ اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا۔ کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے۔ پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں آ گیا۔ مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا۔ اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہو گیا۔ اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا۔ تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا، پورا ہو۔ (متی۔ باب ۲۔ آیات ۱۹ تا ۲۳)

جناب پادری صاحب! اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یسوع کے متعلق یہ بات کہ ''وہ ناصری کہلائے گا'' خدا نے کس نبی کی معرفت اور کب کہی اور کس کتاب میں اس کا ذکر ہے؟ میں نے بائبل کی تمام کتابیں چھان ماریں۔ پرانے عہد نامہ کے تمام صحائف کو غور سے دیکھا۔ ایک ایک باب اور ایک ایک آیت کو پڑھا۔ مگر مجھے کوئی ایسا حوالہ اب تک نہیں ملا۔ پس آپ مہربانی فرما کر مجھے بتائیں کہ مسیح کے متعلق یہ پیش گوئی کہ ''وہ ناصری کہلائے گا'' صحائفِ گذشتہ میں سے کس صحیفہ میں پائی جاتی ہے؟

حضرت مفتی صاحب کی یہ گفتگو سن کر پادری صاحب کچھ گھبرا سے گئے۔ تھوڑی دیر

سوچنے کے بعد فرمانے لگے ''یہ تو بہت مشکل سوال ہے! میں اس کا کچھ جواب ابھی نہیں دے سکتا۔''[1]

یہ کہہ کر کُرسی پر سے کھڑے ہو گئے اور کمرہ میں ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے جاتے تھے اور بار بار آپ ہی آپ یہ فقرہ کہتے جاتے تھے کہ ''یہ تو بہت مشکل سوال ہے۔ یہ تو بہت مشکل سوال ہے۔''

دو تین منٹ کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ''پادری صاحب! ساتھ کے ساتھ اس امر میں بھی غور فرمائیں کہ اگر پہلی کتابوں میں یسوع کے متعلق یہ پیشگوئی موجود نہیں ہے تو صاف ظاہر ہے کہ انجیل کا یہ بیان صحیح نہیں۔ اور اس صورت میں کتاب اور اس کی پیش گوئیوں اور بیانات کا اعتبار بالکل اُٹھ جاتا ہے۔ اور انجیل کی کوئی وقعت معقول پسند طبقہ میں نہیں رہتی ''

اس پر پادری صاحب کہنے لگے کہ بہت مشکل سوال ہے۔ اچھا کیا آپ اب جائیں گے؟

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ''ہاں اگر آپ جواب نہیں دے سکتے تو پھر مجبوراً جانا پڑے گا۔''

---

[1] واضح ہو کہ عیسائی صاحبان اس معقول مطالبہ کا عام طور پر یہ مہمل سا جواب دیا کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی یسعیاہ نبی کی کتاب کے گیارہویں باب کی پہلی آیت میں آتی ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ ''یسی کے تنا سے ایک کونپل نکلے گی اور اس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہوگی اور خداوند کی روح اُس پر ٹھہرے گی حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ ناصرہ اور یسّی میں کوئی ادنیٰ سی بھی مشابہت یا مناسبت نہیں پائی جاتی پھر یسوع اور کونپل کا کیا تعلق ہے؟۔ ناصری کہلانا اور بات ہے اور کونپل پھوٹنا اور بات ہے اس پیشگوئی میں اور اس بیان میں کوئی مناسبت ہو ہی نہیں سکتی عیسائی صاحبان کی یہ ایسی عجیب و غریب تاویل ہے جس کے متحمل انجیل کے الفاظ کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ انگریز عام طور پر ہٹ دھرم نہیں ہوتے کسی بات کی کوئی معقول توجیح ان کی سمجھ میں نہ آئے تو صفائی کے ساتھ اس کا اعتراف کر لیتے ہیں اسی لئے ان انگریز پادری صاحب نے بھی عیسائیوں کی اس مندرجہ بالا کمزور تاویل کو پیش نہ کیا اور صاف طور پر اعتراف کر لیا کہ ''میں اس کا جواب ابھی نہیں دے سکتا۔''

۳۷۔ عیسائیوں کو ایک دلچسپ چیلنج

امریکہ میں حضرت مفتی صاحب کا مستقر شہر شکاگو تھا۔ ایک دفعہ فروری ۱۹۲۱ء میں شہر ڈیٹرائٹ کے ایک صاحب نے مفتی صاحب کو لکھا کہ اگر آپ چندروز کے لئے یہاں آسکیں تو ''اسلام'' پر آپ کے چند لیکچروں کا انتظام ہوسکتا ہے۔ ڈیٹرائٹ امریکہ میں موٹر کے کارخانوں کے لیے مشہور ہے۔ جن میں سب سے بڑا کارخانہ ہنری فورڈ کا ہے۔ پچاس ہزار آدمی اس کارخانہ میں ملازم ہیں۔ شہر کا رقبہ ۸۰ مربع میل ہے اور آبادی ۱۰ لاکھ۔ اس شہر میں ایک یونیورسٹی۔ چھ کالج۔ ۲۰۰ ہائی سکول۔ ۳۰۰ گرجے۔ چار ریلوے سٹیشن۔ ۴۰ باغ عامہ۔ گیارہ شفاخانے ۵۷ آگ بجھانے کے اسٹیشن۔ ۱۵ لائبیریریاں۔ ۱۰ تھانے۔ پانچ بڑے بازار۔ آٹھ روزانہ اخبارات اور تین ہزار کارخانے ہیں۔ مفتی صاحب ۱۵ فروری ۱۹۲۱ء کو یہاں تشریف لے گئے اور ۷ فروری کی شام کو شہر کے ایک نہایت وسیع ہال میں آپ کا لیکچر ہوا۔ جو سارے کا سارا مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے لیکچر میں آنحضرت ﷺ کے حسن اخلاق اور وسعت قلبی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں مدینہ آیا۔ حضورؐ نے ان کو اپنی مسجد میں اتارا۔ اور جب اتوار کا دن ہوا تو اسی مسجد میں ان کو اپنی عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعہ تیرہ سو برس پہلے عرب میں واقع ہوا۔ میں جو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک ادنیٰ خادم اور غلام ہوں اور حضورؐ کے دین کو پھیلانے کے لیے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے اس ملک میں آیا ہوں۔ ڈیٹرائٹ کے تمام پادری صاحبان کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر ان میں اخلاق۔ مروت۔ حوصلہ اور جرأت ہے تو مجھے جمعہ کے دن اپنے کسی گرجا میں اپنے طور پر اسلامی نماز پڑھنے کی اجازت دیں۔ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کس قدر وسیع الحوصلہ اور احسن اخلاق کے مالک ہیں؟ اور پھر نبی عربؐ اور چرچ کے اخلاق کا موازنہ ہوسکے۔

اس چیلنج کی اطلاع روزانہ اخبارات کے نامہ نگاروں نے جو لیکچر میں موجود تھے فوراً

اپنے اپنے اخبار کو پہنچائی۔ اور انھوں نے نہایت نمایاں طور پر اسے اسی دن شائع کر دیا۔ بلکہ ایک اخبار نے تو یہ کام کیا کہ اپنا ایک نمائندہ شہر کے تمام بڑے بڑے پادریوں کے پاس بھیجا۔ کہ مسٹر صادق نے یہ چیلنج دیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

یہ نامہ نگار خصوصی شہر کے تمام پادریوں کے پاس گیا۔ مگر سب نے بالاتفاق انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اپنا گرجا کسی محمدی کو نماز پڑھنے کے لیے نہیں دے سکتے۔ ایک پادری صاحب نے کہا کہ مسلمان کو گرجا دینا ایسا ہے جیسے جرمن کو اپنا قلعہ حوالے کر دینا کہ وہ اس میں اطمینان سے بیٹھ کر ہم پر گولہ باری کرے۔ (اس زمانہ میں پہلی جنگ عظیم کو ختم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔) غرض سارے شہر میں سے کوئی ایک پادری بھی ایسا نہ نکلا جو کہتا کہ آؤ ہمارے گرجا میں اور اپنے طور پر وہاں نماز پڑھ لو۔ سب نے کچھ نہ کچھ عذر کر دیئے۔ بعض پادری صاحبان نے زبانی انکار پر اکتفا کیا۔ بلکہ اخباروں میں مضمون شائع کرائے کہ اسلام عیسائیت کا سخت دشمن ہے۔ پس اس صورت میں ہم کس طرح اس امر کی اجازت دے سکتے ہیں کہ اسلام کا ایک مشنری ہمارے گرجا میں آکر نماز پڑھے؟

حضرت مفتی صاحب نے اس کے جواب میں ایک اخبار میں مضمون لکھا کہ میں عیسائیوں کا دشمن اور عیسائیت کا مخالف نہیں۔ بلکہ ان کا نہایت خیرخواہ اور ہمدرد ہوں۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا سچا نبی سمجھتا ہوں۔ اور عیسائیوں سے زیادہ ان کا ادب اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ عیسائی ان کو ملعون شدہ مانتے ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ نہایت مبارک اور مقدس انسان تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بات فرض کر لو کہ میں عیسائیت کا دشمن ہوں۔ تو کیا تم دن رات اپنے گرجوں میں متی کی اس آیت کا وعظ نہیں کرتے کہ ''اپنے دشمنوں سے محبت کرو'' (متی باب ۵۔ آیت ۴۴) افسوس یہ ہے کہ محبت۔ صلح۔ آشتی اور رواداری کی جو تعلیم تم لوگوں کو دیتے ہو۔ خود تمہارا اس پر عمل نہیں۔ یہ بات میں تمھارے منہ سے کہلوانا چاہتا تھا سو تم نے کہہ دی۔ اب تم قطعاً نہ گھبراؤ۔ مجھے نماز کے لیے تمھارے گرجوں کی بالکل ضرورت نہیں۔ اور نہ تمھارے گرجوں کی ساخت اور ان کا فرنیچر ایسا ہوتا ہے کہ وہاں باآسانی نماز پڑھی جاسکے۔ اس پر سارے پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

۷۴۔ کیا مسیح نے اپنی پرستش کا حکم دیا؟

امریکہ میں ایک مرتبہ ایک ہندوستانی نوجوان نے جو وہاں مقیم تھا مفتی صاحب کو اپنے مکان پر بلایا۔ حضرت مفتی صاحب جس وقت ان کے ہاں پہنچے تو وہاں اتفاق سے ایک پادری صاحب بیٹھے تھے۔ ان سے کچھ مذہبی گفتگو ہونے لگی اسی اثناء میں پادری صاحب نے ایک بڑا عجیب وغریب فقرہ استعمال کیا۔ فرمانے لگے:۔

’’مسیح کے خدا ہونے کا بڑا زبردست ثبوت یہ ہے کہ انجیل میں اس نے خود فرمایا ہے کہ میری پرستش کرو۔‘‘

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:۔ ’’پادری صاحب! یہ غریب مسیح پر سراسر بہتان ہے۔ اس نے کہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر آپ چاروں انجیلوں میں سے کسی میں مسیح کا یہ حکم دکھادیں تو زیادہ نہیں مگر ۲۰ ڈالر میں آپ کو بطور انعام دوں گا۔‘‘

اس پر پادری صاحب کہنے لگے ’’ابھی لیجیے۔ بھاگ کر انجیل لائے۔ اور دیر تک اس کے ورق الٹتے پلٹتے رہے۔ اور پھر فرمانے لگے ’’حوالہ تھا تو سہی تو مگر نہ معلوم کیا بات ہے اس وقت نہیں ملتا۔ اطمینان سے دیکھ کر کسی دوسرے وقت لاؤں گا۔‘‘ مگر وہ ’’دوسرا وقت‘‘ کبھی نہیں آیا۔

۷۵۔ ’’میں اپنے منہ کی بات سے پکڑا گیا‘‘

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کو کسی ضرورت سے گورداسپور جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں عیسائیوں کا زبردست کمپونڈ ہے اور ایک عالی شان کوٹھی بنی ہوئی ہے اس وقت وہاں ایک امریکن پادری صاحب آئے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب ایک دوست کے ہمراہ ان کے پاس پہنچے۔ خیر معمولی علیک سلیک کے بعد پادری صاحب فرمانے لگے کہ ’’اگر آپ کو کوئی بات پوچھنی ہو تو آپ پوچھ سکتے ہیں؟‘‘

حضرت مفتی صاحب نے جواباً فرمایا کہ ’’پادری صاحب کفارہ کا مسئلہ ایسا ہے کہ کسی

طرح عقل انسانی میں آ ہی نہیں سکتا اس پر اگر آپ روشنی ڈالیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی‘‘

پادری صاحب بولے ’’دیکھیے! آدمی فطرتاً گنہگار پیدا ہوا ہے۔ پس جب تک کوئی اس کے بار کو نہ اٹھائے وہ اس بوجھ سے نجات نہیں پاسکتا۔ اسی لیئے خدا کو انسان کی خاطر اس کے سارے گناہ اپنے پیارے بیٹے پر لادنے پڑے‘‘۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ خدا قادر مطلق اور مختار کل ہے۔ جسے چاہے بخش دے۔ جسے چاہے معاف کردے۔ اس سے اس کی خدائی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کوئی بنیا نہیں کہ کسی کو اس کا قرض معاف ہی نہ کرسکے۔

پادری صاحب۔ ایک آدھ آدمی کی بات ہو۔ یا ایک دو دفعہ کا گناہ ہو تو خدا معاف بھی کردے۔ لاکھوں لاکھ آدمی جو دن رات گناہ کرتے رہتے ہیں یہ بغیر بدلہ کے کس طرح معاف ہوسکتے ہیں؟

مفتی صاحب۔ اچھا خیر اس ذکر کو چھوڑیے۔ اور یہ بتایئے کہ اگر آپ کے نوکر کے پاس آپ کے پانچ روپے واجب ہوں اور آپ وہ رقم معاف کرنا چاہیں۔ تو کیا آپ وہ پانچ روپے معاف کرتے وقت اپنے بیٹے کو بلاکر اس سے کہیں گے کہ میں پانچ روپے اپنے اس نوکر کو معاف کرتا ہوں وہ پانچ روپے مجھے دو۔؟

پادری صاحب۔ بیٹے سے کیا پوچھنا ہے۔ میرا روپیہ ہے جسے چاہوں معاف کردوں۔ جسے چاہوں دے دوں۔ بیٹا میرے معاملہ میں دخل دینے والا کون ہے۔

اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ’’یہ آپ نے خوب بات کہی۔ بے شک بیٹے کو آپ کے معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ آپ یقیناً اپنے مال کے مالک ہیں جسے چاہیں دیدیں اور جسے چاہیں معاف کردیں۔ آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ معاف کرتے وقت بیٹے سے پوچھیں۔ لیکن پادری صاحب ذرا غور تو فرمائیں کہ کیا خداوند خدا گناہوں کے بخشنے پر آپ جتنا بھی اختیار نہیں رکھتا؟ اور اس بات کا محتاج ہے کہ بیٹے کو قربان کرکے خلقت کے گناہ بخشے۔ سخت تعجب ہے کہ آپ پانچ روپے نوکر کو معاف کرتے وقت تو اپنے

بیٹے کو بلانا ضروری نہ سمجھیں۔ لیکن خدا کے لیے یہ بات ضروری ٹھہراتے ہیں کہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرتے وقت بیٹے سے پوچھے۔

اس پر پادری صاحب نے کہا کہ ”میں تو اپنے منہ کی بات سے پکڑا گیا اب میں اس کا کیا جواب دوں؟“

جب حضرت مفتی صاحب نے دیکھا کہ پادری صاحب سے کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ تو آپ نے وہاں زیادہ دیر تک ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے رخصت ہو کر واپس چلے آئے۔

۷۶۔ چند روز ”ونٹ نور“ میں

قیام انگلستان کے زمانہ میں ایک دفعہ جنوری ۱۹۱۸ء میں حضرت مفتی صاحب چند روز کے لیے لندن سے ایک قصبہ ونٹ نور میں گئے تھے۔ موسم سرما مفتی صاحب نے یہیں گذارا جہاں سردی لندن کی نسبت کم پڑتی ہے۔ وہاں بعض واقعات مفتی صاحب کو بہت دلچسپ پیش آئے۔ جنھیں ہم مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) رحل پر قرآن۔ ایک مقامی معزز لیڈی مس میڈک نے ایک دن آپ کو ایک ٹی پارٹی دی۔ جس میں قصبہ کے تمام معزز اصحاب کو بھی مدعو کیا۔ یہ لیڈی صاحبہ ہندوستان۔ شام۔ مصر اور امریکہ کی سیر کر چکی تھیں اور ہر جگہ سے نہایت عمدہ اور نفیس چیزیں فراہم کر کے انھوں نے اپنی وسیع کوٹھی کے ایک کمرہ میں ایک چھوٹا سا عجائب خانہ بڑے سلیقہ کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ اور ہر مہمان کو اسے دکھاتی تھیں۔ منجملہ اور اشیاء کے وہاں ایک رحل رکھی ہوئی تھی جو غالباً کشمیر کی تھی اور اس پر نہایت خوبصورت نقش و نگار کھدے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ چیز ہمارے ملک میں قرآن شریف رکھنے کے کام آتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب نے اپنے پاس سے ترجمۃ القرآن کا پہلا انگریزی پارہ نکالا اور لیڈی صاحبہ سے کہا کہ یہ میری طرف سے ہدیہ ہے۔ اسے آپ مہربانی فرما کر اس خالی رحل پر رکھ دیں۔ جس کے لیے یہ بنائی گئی ہے۔ تا کہ جب بھی

آپ کے ہاں کوئی مہمان آئے تو اسے پڑھے۔ لیڈی صاحبہ نے نہایت شوق سے اسے لیا۔ مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ادب کے ساتھ میز پر رکھ دیا۔ اب جو کوئی آتا ہے اسے دیکھتا ہے اور پڑھتا ہے۔

(۲) پی۔ ایم۔ اس قصبہ میں جس لیڈی کے مکان پر حضرت مفتی صاحب قیام پذیر تھے تو ایک پادری صاحب انھی دنوں میں اس کے ہاں مہمان آئے ان سے حضرت مفتی صاحب کی مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ جس کے دوران میں حضرت مفتی صاحب نے آنحضرت ﷺ کا ذکر فرمایا۔ اس پر وہ پادری صاحب کہنے لگے کہ ”بے شک محمد خدا کا نبی تھا۔ کیونکہ سوائے نبی کے کوئی اور آدمی اتنا بڑا روحانی کام نہیں کر سکتا۔ جب چائے پر بیٹھے تو بسکٹوں پر اتفاق سے انگریزی کے حروف P.M لکھے ہوئے تھے۔ پادری صاحب ہنس کر کہنے لگے ”دیکھیے آپ کے کھانے کے لیے جو بسکٹ آئے ہیں ان پر بھی پی، ایم یعنی پرافٹ محمد لکھا ہوا ہے۔

(۳) پادری کے گھر میں اذان۔ یہاں کے ایک پادری صاحب نے مفتی صاحب کو چائے کی دعوت دی۔ انھوں نے اور لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ میز پر کچھ مذہبی گفتگو چل پڑی تو ایک موقع پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ ”ہم مسلمان نماز کے وقت لوگوں کی اطلاع کے لیے نہ تو گھنٹہ بجاتے ہیں نہ ناقوس۔ بلکہ اذان دیتے ہیں۔“ حاضرین پوچھنے لگے کہ اذان کیا ہوتی ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے سمجھا ہوگا کہ یہ اذان بھی گھنٹہ یا گھڑیال کی طرح کوئی شے ہوگی جسے نماز کے وقت مسلمان بجاتے ہوں گے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ”میں ابھی آپ کو عملی طور پر بتاتا ہوں کہ اذان کیا ہوتی ہے اور اس کا عملی طریقہ کیا ہے؟“ یہ کہہ کر حضرت مفتی صاحب کرسی سے کھڑے ہو گئے اور آپ نے بلند آواز کے ساتھ اذان دی۔ جب تک حضرت مفتی صاحب اذان دیتے رہے تمام حاضرین بڑی حیرت اور شوق کے ساتھ مفتی صاحب کو دیکھتے رہے۔ گویا وہ کوئی بہت ہی عجیب کام کر رہے ہیں۔ جب مفتی صاحب اذان دے چکے تو حاضرین نے کہا کہ جو کلمات آپ نے اسوقت پڑھے ہیں ان کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہمیں سنائیے۔ اس پر مفتی صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ ساری اذان کا ترجمہ سب لوگوں کو سنایا۔ جس سے وہ بہت متاثر

ہوئے۔ انگلستان میں یہ غالباً [illegible] سے پہلی اذا[illegible] ایک پادری کے گھر میں دی گئی۔

(۴) بجائے بیوی کے ماں۔ انہی پادری صاحب کا قصہ ہے کہ جب چائے کی دعوت دینے پر حضرت مفتی صاحب ان کے ہاں گئے تو مفتی صاحب نے دیکھا کہ پادری صاحب اپنی بیوی کو بار بار ''ماں'' کہکر خطاب کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب اس پر بے اختیار ہنسنے لگے۔ پادری صاحب نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو مفتی صاحب فرمانے لگے کہ جو لفظ آپ اپنی بیوی کے لیے استعمال کر رہے ہیں اگر یہی الفاظ ہمارے ہندوستان میں کوئی شخص اپنی اہلیہ کے لیے استعمال کرے تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اسے اپنے لیے حرام سمجھتا ہے۔ اور اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ پادری صاحب فرمانے لگے کہ ''ہم لوگ ایسی باتوں کا خیال کبھی نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے بچے چھوٹے ہیں۔ جن الفاظ کے ساتھ ہم میاں بیوی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں وہی الفاظ بچے سیکھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی بیوی کو ماں کہہ کر بلاتا ہوں تاکہ بچے بھی اسے ماں کہیں۔ لیکن میری بیوی اس بات کی احتیاط نہیں کرتی وہ میرا نام لے کر مخاطب کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچے بھی میرا نام لیتے ہیں''۔

مفتی صاحب نے کہا۔ ''یہ تو خوب لطیفہ ہے''۔ اور ہنس کر چپ ہو گئے۔

(۵) عیسائیوں کے روزے۔ عیسائیوں میں ایک تہوار ہے ''ایش وینز ڈے'' (Ash Wednesday) اس تہوار سے ان کے روزے شروع ہوتے ہیں۔ یہ تہوار بالخصوص رومن کیتھولک مسیحیوں میں بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ اس کی کیفیت جس کا لطف مفتی صاحب نے قصبہ ''ونٹ نور'' میں اٹھایا۔ خود حضرت مفتی صاحب کی زبان سے سنیے فرماتے ہیں:۔

دوسرے دن صبح میں مقامی رومن کیتھولک گرجا میں گیا۔ وہاں کے پادری صاحب سے واقفیت تھی۔ انھوں نے مجھے ایسی جگہ بٹھا دیا جہاں سے سارا تماشا آسانی سے دکھائی دیتا تھا۔ پہلے ایک چاندی کے برتن میں راکھ لائی گئی۔ دو پادریوں نے اس برتن کو سامنے رکھ کر لاطینی زبان میں بڑی تیزی اور روانی کے ساتھ بہت سی دعائیں پڑھیں۔ حاضرین تو

کیا خاک سمجھتے۔ غالباً خود پادری صاحبان بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کیا رٹ رہے ہیں۔ اس کے بعد پادری صاحبان نے ایک دوسرے کے سر پر ایک ایک چٹکی راکھ کی رکھدی پھر حاضرین میں سے ایک ایک آدمی ممبر کے قریب جاتا رہا۔ اور پادری صاحبان ہر ایک کی پیشانی پر راکھ کا تلک لگاتے رہے۔ چلیے نماز ختم ہوئی۔

نماز کی کیفیت آپ نے پڑھ لی۔ اب لگے ہاتھوں روزے کی تفصیل بھی سن لیجیے۔ جو نماز سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ ''ایش وینز ڈے'' سے عیسائیوں کے روزے شروع ہوتے ہیں۔ اور چالیس دن تک رہتے ہیں۔ عیسائیوں میں روزہ صرف اس کا نام ہے کہ ان ۴۰ دنوں میں جتنے جمعے آئیں اس دن غذا ذرا ہلکی کھائی جائے۔ لیکن اس بات کی اجازت ہے کہ اس کی کمی پورے طور پر مشروبات سے پوری کر لی جائے۔ خواہ کتنا ہی پی لیا جائے اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ نہ کوئی حد اس پر قائم کی جاسکتی ہے۔

یہ عجیب وغریب روزہ سن کر ناظرین کو شوق پیدا ہوا ہوگا کہ معلوم کریں کہ عیسائی شریعت میں ''ہلکی غذا'' کی کیا تشریح بیان کی گئی ہے لیجئے وہ بھی حاضر ہے۔

''ہلکی غذا'' سے مراد یہ ہے کہ روزانہ کے کھانے میں گوشت استعمال نہ کیا جائے۔ مگر اس کے بجائے مچھلی، انڈا، دودھ بسکٹ، فیرنی اور مٹھائی جس قدر چاہو کھاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سبزی بھی جس قدر چاہو نوش کرو۔ کچھ حرج نہیں۔ یاد رہے کہ گوشت کی یہ پابندی صرف جمعہ کے دن کے لیے ہے۔ باقی کے ایام میں کسی چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ چالیس دن میں پانچ جمعے آتے ہیں۔ سال بھر میں اگر پانچ روز گوشت نہ کھایا تو کونسا آدمی اس سے دبلا ہو سکتا ہے۔

(۶) ایک پادری صاحب سے گفتگو۔ اس زمانہ میں پہلی جنگ عظیم ہو رہی تھی۔ ایک روز ایک پادری صاحب سے اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی مزیدار گفتگو ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ''اگر مذاہب کی تعلیم کا باہم مقابلہ کیا جائے تو مذہب اسلام کی رو سے گورنمنٹ برطانیہ کا اس جنگ میں شامل ہو کر جرمنی کا مقابلہ کرنا بالکل حق اور جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں صاف حکم ہے کہ اگر تم پر کوئی حملہ کرے تو اس کا

مقابلہ کرو ظالم کو اس کے ظلم سے روکو۔ کمزور کی مدد کرو۔ لیکن اس کے بالمقابل آپ کے دین عیسوی کے متعلق کیا کہیں گے جہاں لکھا ہے:۔

میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالیش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا (متی۔ باب ۵ آیت ۳۹، ۴۱)۔

پادری صاحب۔ بات یہ ہے کہ مسیح کے بعض احکام صرف اسی کے زمانہ کے لیئے تھے۔ ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم ہر بات میں اس کی پیروی کریں۔ اور جو حکم آج سے انیس سو برس پہلے دیا گیا تھا اس پر آج بیسویں صدی میں عمل کریں۔ مسیح کا نمونہ ہمارے لیے لائق تقلید نہیں۔

صادق۔ پھر آپ عیسائی کیوں کہلاتے ہیں۔ جس کے نمونہ کی آپ پیروی کر رہے ہیں اسی کے کہلائیں۔

پادری صاحب۔ یہ تو بہت مشکل بات ہے۔ بہر حال ہم عیسائی ہیں۔ اور عیسائی مذہب قدیم خیالات کا پابند نہیں وہ ایک ترقی کرنے والا مذہب ہے۔

صادق۔ تو پھر ایسا ترقی کرنے والا مذہب عیسائیت تو نہ ہوا۔ عیسائی مذہب تو وہ ہے جو خود مسیح نے سکھایا۔

اس پر پادری صاحب نے بات کو ٹال کر کوئی اور ذکر شروع کر دیا۔

۷۷۔ خدا نے بچایا

امریکہ میں ایک دفعہ ایک سخت واقعہ مفتی صاحب کے ساتھ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اور خدا نے محض اپنے فضل سے ان کو بال بال بچالیا۔ قصہ یہ ہوا کہ ایک امریکن لڑکی مفتی صاحب کے زیر تبلیغ تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہوگئی۔ اس کی ماں نہایت درجہ متعصب اور اکھڑ عورت تھی۔ اس نے اوّل تو ہر ممکن ذریعہ سے اپنی لڑکی کو

مسلمان ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن جب کچھ نہ بنا تو اس نے یہ کام کیا کہ حضرت مفتی صاحب پر عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ ان کا مشن بڑا خطرناک ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی شادیاں مسلمانوں سے کر دیتے ہیں۔ اور میری لڑکی کو بھی یہ لوگ بھگا کر لے جانا چاہتے ہیں۔

مقدمہ کی شکل بظاہر بڑی خوفناک تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ مقدمہ ابتدائی منزل میں ڈسمس ہو گیا۔ اور مفتی صاحب نے ایک بھاری فکر سے نجات پائی۔ الحمد للہ۔

۷۸۔ خدائی قدرت کا ظہور

دوران قیام امریکہ میں جو خطوط حضرت مفتی صاحب "الفضل" کو اشاعت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک میں (جو ۱۵/ فروری ۱۹۲۳ء کے پرچہ میں شائع ہوا) مفتی صاحب نے ایک مزیدار لطیفہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

کرسمس پر یہاں ڈاک کی بہت کثرت ہوتی ہے اور ڈاک خانوں میں آدمیوں کی بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ گذشتہ کرسمس کے موقع پر ایک لیڈی شہر کلیولینڈ (Cleaveland) کے ڈاکخانہ میں ایک پارسل کو پوسٹ کرنے کے لیے گئی۔ ایک چھوٹا سا بچہ اس کی گود میں تھا۔ اور پارسل کی کھڑکی کے پاس لوگوں کا بڑا انبوہ جمع تھا۔ اس نے چھوٹے بچے کو ہجوم سے بچانے کے لیے پارسلوں کے ایک ڈھیر پر لٹا دیا۔ جو ڈاک خانہ کی ایک گاڑی پر لدا ہوا تھا۔ اور اپنے آپ پارسل پوسٹ کرنے لگی۔ جب کرا چکی اور بچہ کو دیکھا تو نہ بچہ تھا۔ نہ پارسلوں کا ڈھیر بیچاری بڑی پریشان ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا اور میرا بچہ کہاں گیا۔ ادھر ادھر بہت بھاگی دوڑی مگر بچہ کا نشان نہ ملا۔

اس واقعہ کے تین گھنٹے کے بعد جس کمرہ میں ڈاک کے تھیلے پڑے تھے اس میں ایک تھیلے میں سے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ کلرک نے گھبرا کر تھیلے کو کھولا تو اس میں سے ایک جیتا جاگتا صحیح سلامت بچہ نکل آیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ادھر تو ماں بچہ کو پارسلوں کے ڈھیر پر لٹا کر پارسل کرانے کے لیے

ڈاکخانہ کی کھڑکی پر گئی ۔ اور ادھر ڈاک خانہ کے ملازمین اس گاڑی کو جس پر ڈاک کے پارسل لدے ہوئے تھے اور جن پر بچہ سویا پڑا تھا کھینچ کر اندر لے گئے ۔ بچہ ان کی نظر نہ پڑا۔ انھوں نے تمام پارسل جلدی سے تھیلوں میں الٹ دیئے اور ان کا منہ بند کر کے کمرہ میں ڈال دیا اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے ۔ اسی الٹنے میں وہ بچہ بھی ایک تھیلے میں چلا گیا اور بند ہو گیا۔ جب تھیلے میں بچہ کا دم گھٹا اور اس کی آنکھ کھلی اور اس نے رونا شروع کیا جب پتہ چلا۔ اور اسے تھیلے سے نکالا گیا۔

سچ ہے ''جسے خدا رکھے اسے کون چکھے''۔

امریکہ ہی کا ایک واقعہ میں نے عرصہ ہوا کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ نیویارک میں ایک ڈاکیہ ڈاک تقسیم کرتا ہوا ایک گلی سے گذر رہا تھا۔ کہ ناگہاں اس نے دیکھا کہ ایک پنج منزلہ مکان کے اوپر کی منزل سے ایک چھوٹا سا بچہ نیچے گرا۔ سوچنے کا وقت قطعاً نہ تھا۔ ڈاکیہ نے بغیر ایک سیکنڈ کے وقفہ کے انتہائی پھرتی کے ساتھ ڈاک زمین پر پھینک دی اور ڈاک کا خالی تھیلا کھول کر بڑی سرعت کے ساتھ آگے بڑھا۔ اور عین اس جگہ آ کر کھڑا ہو گیا۔ جہاں بچے کو گرنا تھا۔ اتنے میں بچہ زمین تک پہنچ چکا تھا۔ ڈاکیہ پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔ بچہ سیدھا اس کے تھیلے میں گرا۔ اور اسے خراش تک بھی نہ آئی۔

اس کے بالمقابل میں نے تھوڑے دن بعد ایک اخبار میں پڑھا کہ جہاز لندن سے ہندوستان آ رہا تھا۔ جب عدن سے گذر گیا تو ایک انگریز جو فرسٹ کلاس کا مسافر تھا، عرشۂ جہاز پر کھڑا سمندر کی سیر سے لطف اٹھا رہا تھا۔ کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا۔ ایک بہت بڑی مچھلی منہ کھولے سمندر میں کھڑی تھی ۔ انگریز سیدھا اس کے منہ میں گیا۔ مچھلی نے اپنا شکار پا کر منہ بند کر لیا اور اطمینان کے ساتھ سمندر میں غوطہ لگا کر غائب ہو گئی۔ جہاز فوراً ٹھیر گیا۔ انگریز کے جن ساتھیوں نے یہ روح فرسا نظارہ دیکھا تھا انھوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر بہت تلاش کیا۔ مگر بے سود۔

۷۹۔ اگر حضرت مسیح ناصری امریکہ تشریف لیجائیں؟

حضرت مفتی صاحب نے امریکہ سے انگریزی میں ایک تبلیغی رسالہ (Muslim Sunrise) کے نام سے نکالا تھا۔ اس کے اپریل ۱۹۲۲ء کے پرچہ میں آپ نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ اور جون ۱۹۲۲ء کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں اس کا اُردو ترجمہ چھپا تھا۔ مضمون چونکہ نہایت دلچسپ اور مزیدار ہے ۔ اس لیے ہم اسے ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔ ناظرین پڑھیں اور لطف اٹھائیں ۔ دراصل یہ مضمون نتیجہ ہے ان مشکلات اور تکالیف کا جن سے حضرت مفتی صاحب کو امریکہ میں داخلہ کے وقت دوچار ہونا پڑا۔ وَھُوَ ھٰذا۔

اگر جناب مسیح علیہ السلام جن کا وجود خاکی سرینگر (کشمیر) ہندوستان میں آسودہ اور ان کی مقدس روح بہشت میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات کے ساتھ مقیم ہے۔ ان دنوں زندہ ہوتے اور ان کو امریکہ کی سیر کا خیال آتا تو آپ سے امریکہ کے امیگریشن ڈیپارٹمنٹ (Immigration Department)[1] کے ارکان (باوجود فدا کارانِ مسیح ہونے کے) کس طرح سلوک کرتے اس کا ایک دلچسپ نقشہ ہم یہاں کھینچتے ہیں۔ اور اس میں تمام سوال و جواب درج کرتے ہیں جو حضرت مسیح پر بھی منجملہ دیگر سمندری مسافروں کے کیے جاتے۔

افسر۔ براہ کرم اپنے ہاتھ بلند کر کے حلف اٹھایئے کہ آپ سچ بولیں گے۔

حضرت مسیحؑ ۔ قسم اٹھانا میرے عقیدے کے خلاف ہے۔ اس لیے میں قسم نہیں کھاؤں گا۔

افسر۔ آپ کا نام؟

حضرت مسیحؑ۔ یسوع۔

افسر۔ آپ کا پہلا نام؟

[1] یعنی وہ محکمۂ احتساب جو اُن لوگوں کے متعلق تحقیقات کرتا ہے جو بیرون ممالک سے آ کر امریکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں

حضرت مسیحؑ ۔ یہی میرا پہلا نام ہے۔

افسر۔ آپ کا دوسرا نام؟

حضرت مسیح۔ میرا کوئی دوسرا نام نہیں۔ میرا تو صرف یہی ایک نام ہے۔

افسر۔ (حیران ہوکر) آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ اچھا یہ بتایئے کہ آپ کے والد کا نام کیا ہے؟

حضرت مسیحؑ ۔ میرا کوئی باپ نہیں۔

افسر۔ (اور زیادہ متعجب ہوکر) ہیں! آپ کا کوئی باپ نہیں؟ پھر آپ پیدا کس طرح ہوگئے؟

حضرت مسیحؑ ۔ معجزانہ طور پر۔ جو کچھ آپ کے لیے عجوبہ ہے وہ خدا کے نزدیک آسان ہے۔ اگر نہیں تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ حضرت آدم بغیر ماں باپ کے کس طرح پیدا ہوگئے؟

افسر۔ مجھے معلوم نہیں۔ خیر چھوڑیے اس کو۔ یہ بتایئے کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

حضرت مسیحؑ ۔ ہندوستان سے۔

افسر۔ ہندوستان کے کس شہر سے؟

حضرت مسیحؑ ۔ سری نگر کشمیر سے۔

افسر۔ آپ کے پاس زرنقد کس قدر ہے۔

حضرت مسیحؑ ۔ میرے پاس کوئی روپیہ نہیں۔

افسر۔ پھر آپ روپے کے بغیر یہاں کیسے گذارہ کریں گے؟

حضرت مسیحؑ ۔ میں کبھی اندیشۂ فردا نہیں کیا کرتا۔ اور کل کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتا۔

افسر۔ عجیب معاملہ ہے۔ ہم لوگ جو اس ملک میں رہتے ہیں سو سال پہلے سے آئندہ کی فکر کرتے ہیں۔ اچھا اسے بھی چھوڑیئے اور یہ بتلایئے کہ آپ کی قومیت کیا ہے؟

حضرت مسیحؑ ۔ میں یہودی قوم سے ہوں۔

افسر۔ کیا آپ موسیٰ کی شریعت کے اس حصہ کو مانتے ہیں جس میں کثرت ازدواج کی اجازت دی گئی ہے؟

حضرت مسیحؑ ۔ یقیناً مانتا ہوں۔ جو شخص موسیٰ کی شریعت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کی بھی خلاف ورزی کرے گا اسے آسمانی بادشاہت میں حقیر سمجھا جائے گا۔

افسر۔ یہ آپ کے ہاتھ کیوں چھدے ہوئے ہیں؟

حضرت مسیحؑ ۔ میں ناانصافی اور ظلم سے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔

افسر۔ آپ کا پیشہ کیا ہے؟

حضرت مسیحؑ ۔ میں خدا کے کلام کا منادی ہوں اور وہی کہتا ہوں جو مجھے خدا سے حکم ملتا ہے۔

افسر۔ کیا آپ کے پاس اس قسم کے سندات ہیں جن سے ثابت ہو کہ آپ باقاعدہ واعظ ہیں؟

حضرت مسیح ۔ نہیں۔ نہ مجھے کسی سند کی ضرورت ہے نہ میرے پاس کوئی سند ہے۔

افسر۔ اگر کبھی ضرورت آپڑے تو کیا آپ ملک کی خاطر جنگ میں حصہ لیں گے؟

حضرت مسیحؑ ۔ میں جنگوں کے سخت خلاف ہوں۔ میں تو صرف محبت کا پجاری ہوں۔ میرا مذہب محبت ہے۔

افسر۔ کیا آپ شراب پینے کی اجازت دیں گے؟

حضرت مسیحؑ ۔ کیوں نہیں۔ اگر ضرورت پیش آجائے تو میں دعوتوں وغیرہ کے موقعوں پر شراب مہیا کر کے معجزہ بھی دکھا سکتا ہوں۔

فیصلہ

فیصلہ کیا جاتا ہے کہ مسمّی یسوع کو امریکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

کیونکہ:۔

اول۔ اس کے پاس روپیہ نہیں۔

دوم۔ یہ ایسے ملک سے آیا ہے جو مشتہرہ ممالک سے خارج ہے۔

سوم۔ اس کا لباس غیر مہذب ہے۔

چہارم۔ اس کے ہاتھوں میں سوراخ ہیں (جو اس کے پہلے سزا یافتہ ہونے کا ثبوت ہو سکتے ہیں)

پنجم۔ اس کے پاؤں ننگے ہیں (امریکہ میں ننگے پاؤں پھرنا نہایت خلاف تہذیب اور گنوارپن کی حرکت سمجھی جاتی ہے)

ششم۔ یہ ملک کے لیے جنگ کرنے کے خلاف ہے۔

ہفتم۔ یہ حسب ضرورت شراب کشید کرنیکے حق میں ہے۔ (اُس وقت شراب کے خلاف تحریک امریکہ میں زور پر تھی۔)

ہشتم۔اس کے پاس کوئی سند یا سٹرفکیٹ نہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ باضابطہ واعظ ہے۔

نہم۔اس کا اعتقاد ہے کہ موسیٰ کی شریعت کا وہ حصہ واجب العمل ہے جس میں کثرت ازدواج کی اجازت دی گئی ہے۔ (یورپ اور امریکہ میں ایک وقت میں دو یا دو سے زیادہ بیویاں کرنا خلافِ قانون ہے۔)

یہ شخص ہمارے فیصلہ کے خلاف واشنگٹن آفس میں اپیل کر سکتا ہے۔

حضرت مسیح ؑ ۔ میں کوئی اپیل یا مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ میرے۔ جیسے شخص کو اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا درست نہیں تاہم بدی کا مقابلہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ اس لیے میں اپنے پاؤں کی گرد جھاڑتا ہوں اور اپنے دلکش دارالہجرت ہندوستان کو واپس جاتا ہوں [1]

[1] حضرت مفتی صاحب کا یہ مضمون نہایت مقبول ہوا اور بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا۔ خود امریکہ کے اخباروں نے اسے نقل کیا۔ مراکش کے عربی اخباروں میں اس کا عربی ترجمہ چھپا ٹرکی کے اخباروں میں ترکی میں ترجمہ شائع ہوا۔ غرض کافی شہرت اس کی ہوئی۔

۸۰۔ زبردستی ''حضرت مفتی محمد صادق'' لکھنا پڑا

جن دنوں مفتی صاحب امریکہ میں تھے تو کٹک سے ایک دوست سید محمد حسن صاحب نے بہت اخلاص اور محبت کے ساتھ آپ کو ۷ شلنگ بطور نذرانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجے۔ اور پتہ میں نام کے ساتھ ''حضرت مفتی محمد صادق'' لکھا۔ مفتی صاحب نے دستخط کیے تو صرف ''محمد صادق'' تحریر کیا۔ اس پر پوسٹ ماسٹر نے وہ فارم واپس کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک آپ اپنا پورا نام ''حضرت مفتی محمد صادق'' لکھ کر دستخط نہیں کریں گے اس وقت تک ہم آپ کو منی آرڈر کی رقم نہیں دے سکتے۔ مفتی صاحب نے ہر چند کہا کہ ''حضرت'' اور ''مفتی'' اضافی الفاظ ہیں مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی اور مجبوراً آپ کو اپنا نام حضرت مفتی محمد صادق لکھنا پڑا تب جا کر منی آڈر ملا۔

مختصر سوانح حیات

خاندانی حالات

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ابن مفتی عنائیت اللہ صاحب ابن مفتی عبدالرحیم صاحب ساکن بھیرہ ضلع شاہپورہ، صوبہ پنجاب۔ حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی خاندانی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے بزرگ ملک عرب سے ایران آئے اور ایران سے ہندوستان۔ ہندوستان میں داخلِ سندھ ہو کر ملتان پہنچے۔ اور وہاں شاہی عنایات سے عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے۔ ملتان سے اس خاندان کے کچھ آدمی پاکپٹن (ضلع منٹگمری) میں آ گئے۔ اور وہ بھی عہدہ قضاء پر مقرر ہوئے۔

اسی خاندان کے جن کا نام ابومسلم تھا۔ (المعروف بڈھامیاں) پاک پٹن سے بھیرہ پہنچا کہتے ہیں کہ ان دنوں شہنشاہ اورنگ زیب سے ملنے گئے اور بادشاہ کے حضور اپنے خاندانی حالات بیان کئے۔ چونکہ بادشاہ خود علوم دینیہ کا ماہر تھا۔ اس نے ابومسلم کا امتحان لیا۔ اور جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا اب آپ کیا چاہتے ہیں۔ ابومسلم نے عرض کی کہ میرے بزرگ مختلف مقامات پر قاضی رہ چکے ہیں۔ اس لئے میری بھی خواہش ہے۔ کہ مجھے شہر کا قاضی مقرر کیا جائے۔ عالمگیر نے جواب دیا کہ آپ بے شک عہدۂ قضا کے مستحق ہیں۔ لیکن میں بھیرہ کا قاضی کسی دوسرے شخص کو مقرر کر چکا ہوں۔ اور اب عہدۂ افتاء خالی ہے۔ اگر آپ راضی ہوں تو میں آپ کو بھیرہ کا مفتی مقرر کردوں۔ ابومسلم نے بات مان لی اور عہدۂ افتاء سنبھال لیا۔ جب سے اس خاندان کے لوگ برابر مفتی بنتے چلے آئے اور مفتی کہلائے۔

قوم

آپ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے قریش النسل ہیں۔

آبائی پیشہ

اس خاندان کے لوگ عموماً درس تدریس اور حکمت کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے والد بزرگوار بھی بھیرہ کے پرائمری سکول میں اوّل مدرس تھے۔

حضرت مفتی محمد صادق کی پیدائش

آپ کی ولادت ۱۳/جنوری ۱۸۷۲ء بروز جمعرات ہوئی۔ چونکہ آپ کے والدین کو علمائے کرام اور صوفیاء سے گہری عقیدت تھی۔ اس لئے آپ کی پیدائش کے وقت بعض بزرگ علماء جمع ہوئے اور قرآن شریف پڑھتے رہے۔

تاریخی نام

آپ کے والد بزرگوار کو اپنے بچوں کے تاریخی نام رکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا نام بھی محمد منظور رکھا جس کے عدد بلحاظ ابجد ۱۳۸۸ بنتے ہیں۔ ایسا ہی آپ کی ایک ہمشیر کا بھی تاریخی نام ہے۔ جو آپ سے دو سال چھوٹی ہیں۔

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے خانگی طور پر ہوئی۔ ۹ سال کی عمر میں تیسری جماعت میں داخل ہوئے اور ۱۵ سال کی عمر میں مڈل پاس کر لیا۔ (جو اُس وقت یونیورسٹی کا امتحان ہوتا تھا) قرآن مجید آٹھ نو سال کی عمر میں ایک محلے کے مولوی اور ان کی اہلیہ سے پڑھ چکے تھے۔ ترجمہ پڑھنے کے لئے ۱۸۸۸ء میں آپ کے والد بزرگوار حضرت مولوی نور الدینؓ (جو آپ کے خالو تھے) کے پاس چھوڑ آئے۔ جو اس وقت ریاست جموں میں شاہی طبیب تھے

ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ جموں گئے تو حضرت مفتی صاحب کو دیکھ کر حضرت خلیفہ اولؓ سے آپ کے حالات دریافت کئے۔ اور پھر درخواست کی کہ مفتی صاحب کو میرے ساتھ سیالکوٹ بھیج دیا جائے جہاں یہ سکول میں داخل ہو کر میٹرک کر لیں۔

اور قرآن مجید کا ترجمہ مجھ سے پڑھتے رہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے اجازت دے دی اور آپ مولوی عبدالکریمؓ صاحب کے ساتھ سیالکوٹ چلے گئے۔ جب یہ خبر حضرت مفتی صاحب کے والد کو ملی۔ تو وہ سیالکوٹ پہنچے اور آپ کو بھیرہ واپس لے آئے۔ اور وہاں میٹرک میں داخل کر دیا۔ ۱۸۹۰ء میں آپ نے میٹرک پاس کر لیا۔

ملازمت

چونکہ آپ کے والد بزرگوار آپ کے انٹرنس پاس کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ کے سر آ لگی تھیں۔ اس لئے آپ کو مجبوراً تعلیم سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ چند ماہ بھیرہ اسکول میں مدرس رہے۔ پھر حضرت مولانا نورالدینؓ نے آپ کو جموں بلا لیا۔ اور یہاں کے ہائی سکول میں ملازم کرا دیا۔ جہاں آپ ۱۸۹۵ء تک مدرس رہے۔ ۱۸۹۵ء میں ایک دفعہ آپ لاہور گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ انجمن حمائیت اسلام کے ہائی سکول میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہے۔ آپ نے اپنے دوستوں سے مشورہ لیا۔ اور بزرگوں کے سامنے اظہار خیال کیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت اقدس میں بھی مشورے کی درخواست کی۔ دوستوں نے آپ کو صلاح دی کہ لاہور کی ملازمت زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں آپ بی۔ اے کی تیاری بھی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ لاہور رہ کر آپ قادیان سے نزدیک ہو جائیں گے۔

حضورؑ کے فرمان کے بعد آپ نے جموں کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور لاہور کی ملازمت اختیار کر لی۔ آپ جموں کی ملازمت سے مستعفی ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مولوی نورالدینؓ جموں کی ملازمت چھوڑ کر ہجرت کر کے قادیان آگئے تھے۔

لاہور میں ملازمت

۱۸۹۵ء کے آخر میں اپنے ہائی اسکول انجمن حمائیت اسلام میں ملازمت کی۔ ایک سال بعد یعنی ۱۸۹۶ء میں ہائی سکول کی ملازمت سے برطرف ہو کر اکاؤنٹنٹ جنرل آفس

میں آڈیٹر مقرر ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ لاہور چونکہ قادیان سے نزدیک تھا۔ اس لئے میں قریباً ہر اتوار کو قادیان آیا کرتا تاکہ کچھ دینی خدمات کا موقع ملتا رہے۔ اس وقت ریل گاڑی صرف بٹالے تک آتی تھی اور آپ بٹالے سے پیدل قادیان آتے۔ واپسی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کو دو روپے مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ (جو اس آمد و رفت کے لئے کافی تھے۔) آپ اکثر حضورؑ سے عرض کرتے۔ کہ حضورؑ میرے پاس خرچ ہے۔ آپؑ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ اس پر حضورؑ فرمایا کرتے۔ کہ آپ کا قادیان آنا ایک ایسے ثواب کا کام ہے۔ جس میں ہم بھی کچھ حصہ لینا چاہتے ہیں۔

ہجرت کی درخواست

انہیں ملازمت کے ایام میں آپؓ نے ایک دفعہ حضورؑ کی خدمت میں درخوست کی حضورؑ میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں ہجرت کر کے قادیان آ جاؤں اور لاہور کی ملازمت سے استعفیٰ دیدوں۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے۔ کچھ نہ کچھ سامان کر دے گا۔ حضورؑ نے جواب میں فرمایا۔ القیامہ فی اقام اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس جگہ کھڑا کیا ہے۔ وہیں کھڑے رہو۔ جب تک کسی دوسری جگہ جانے کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔ اس لئے آپ کو لاہور کی ملازمت نہ چھوڑنی چاہئے۔ لیکن چونکہ آپؓ نے صدق دل سے ہجرت کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس لئے اللہ کریم آپ کو ہجرت کا ثواب دیتا رہے گا۔

قادیان میں مستقل رہائش

اس واقعہ کے دو سال بعد قادیان میں ہائی اسکول کھلا۔ تو اس میں ایک سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کی ضرورت پیش آئی۔ (اس وقت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ اور حضرت مولوی محمد علی صاحب ہائی اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر تھے)۔ مولوی محمد علی صاحب نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ مفتی صاحب کافی عرصہ تک مدرس رہ چکے اور کافی تجربہ کے مالک ہیں۔ اس لئے حضورؑ نے فرمایا کہ فی الحال تین ماہ کی چھٹی لے کر چلے آئیں۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب حضورؑ کے فرمانے پر تین ماہ کی چھٹی لے کر قادیان آگئے اور یہاں مڈل اسکول کے

ہیڈ ماسٹر مقرر رہوئے۔

تین ماہ گزرنے کے بعد حضورؑ نے آپؓ سے فرمایا کہ چھ ماہ کی رخصت اور لے لو۔ آپ نے درخواست لکھی لیکن اکاؤنٹنٹ جنرل نے صرف تین ماہ کی چھٹی اور منظور کی۔ اور جب تین مہینے یہ بھی گزر گئے۔ تو حضورؑ نے حضرت مفتی صاحب سے فرمایا۔ کہ آپ استخارہ کریں۔ کہ آپ کا لاہور جانا بہتر ہے، یا قادیان رہنا۔ حضرت مفتی صاحب نے سات دن متواتر استخارہ کیا۔ اور آٹھویں دن حضورؑ کی خدمت میں عرض کی حضور مجھے برابر سات دن تک انشراح صدر رہا۔ کہ میرا قادیان میرے لئے بہتر ہے۔ تب حضورؑ نے فرمایا کہ اب آپ استعفیٰ دیدیں۔ جب حضرت مفتی صاحب کے استعفیٰ کی خبر لاہور پہنچی تو اس دفتر کے مسلمان کلرک جو حضرت مفتی صاحب کے ساتھ حُسنِ ظَن رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک وفد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ کہ اس دفتر میں حضرت مفتی صاحب کی موجودگی ہمارے لئے روحانی اور جسمانی فائدے کا باعث ہے۔ اس لئے حضورؑ ان کو یہیں رہنے دیں۔ مگر حضورؑ نے ان کی درخواست پر کچھ توجہ نہ کی۔ اور وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اس طرح حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی رہائش قادیان میں ۱۹۰۱ء سے مستقل ہوئی اور آپ ۱۹۰۲ء میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہائی اسکول کا انتظام نواب محمد علی خانصاحب (مرحوم) کے سپرد کر دیا۔ نواب صاحب نے ایک کالج کھولا۔ جو دو سال تک قائم رہا اور جس میں حضرت مفتی صاحب فلاسفی کے پروفیسر مقرر ہوئے اس کالج سے پانچ یا چھ ایف۔ اے کے امتحان کے لئے بھیجے گئے۔ جو سب کے سب طالب علم کامیاب ہوئے۔ لیکن ۱۹۰۵ء میں ہائی سکول کا انتظام پھر انجمن کے ہاتھ میں آ گیا اور انجمن نے کالج توڑ کر صرف اسکول رکھا۔

اخبار البدر کے بطور ایڈیٹر تقرری

۱۹۰۵ء کے آخر میں اخبار ''البدر'' کے ایڈیٹر مولوی محمد فاضل صاحب انتقال فرما گئے۔ تو اخبار البدر کا نام تبدیل کر کے بدر رکھا گیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مطابق حضرت مفتی صاحب کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔

تبلیغی کام

اخبار بدر کے بند ہو جانے پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو تبلیغی کاموں پر لگا دیا اور ۱۹۱۷ء میں آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے ولائیت بھیجا گیا۔ تین سال لنڈن میں رہنے کے بعد آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل میں لنڈن سے امریکہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہلا اسلامی مشن کھولا۔ دو مسجدیں بنوائیں اور تقریباً ایک ہزار عیسائیوں کو مسلمان کیا۔ اور سات سال بعد امریکہ سے براستہ فرانس واپس ہوئے۔ پیرس اور مارسیز میں دو ماہ قیام کیا اور وہاں کئی ایک لیکچر دیئے ایک تبلیغی ٹریکٹ فرانسیسی زبان میں شائع کیا۔ جس کے ذریعے پندرہ عیسائیوں نے اسلام قبول کیا اور ۱۹۲۳ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔

ہندوستان واپس آنے پر

نومبر ۱۹۲۳ء میں آپ کو صدر انجمن احمدیہ کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کا الحاق ہو گیا تو آپ ناظر امور عامہ و خارجہ کے عہدہ پر فائیض ہوئے۔ اور دس سال تک آپ اسی عہدہ پر متمکن رہے۔ جس میں قریباً دس ہزار میل کا سفر کیا۔ ایک سو سے زائد آدمیوں کی سفارشیں کر کے انہیں ملازم کرایا اور تقریباً تین سو سے زائد مظلوموں کی حکام سے اور دوسرے لوگوں سے دادرسائی کرائی۔ سلسلہ عالیہ کے مفاد کے سلسلہ میں تقریباً ڈیڑھ سو افسران بالا سے ملاقاتیں کیں اور سلسلہ احمدیّت سے آگاہ کیا۔ ۱۵، ۱۶ مقدمات کر کے احمدیوں کو انصاف کا حق دلوایا۔ بیسیوں بے کاروں اور بے روزگاروں کی امداد کی۔ اسمبلیوں، میونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات ممبری کے وقت ایسے انتظامات کئے جو احمدیوں کے حق میں مفید ثابت ہوئے۔ مخالفین سلسلہ کی شرارتوں کے سدِ باب کے واسطے حکام بالا اور غیر احمدی معززین سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ بہت سے شرارتی اپنے جرم سے توبہ کر کے داخل سلسلہ ہو گئے۔ اور پابندِ صوم و صلوٰۃ ہو گئے ☆۔ ۱۹۳۵ء میں تحقیقات قبرِ مسیح کے سلسلے میں کشمیر گئے اور جب واپس آئے تو حضور خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کو

☆ ان اجمال کی تفصیل اگر ملاحظہ کرنی ہو تو صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹیں جو ہر سال شائع ہوتی ہیں ان میں نظارت ہائے امور عامہ و خارجہ کی رپورٹیں ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء دیکھی جا سکتی ہیں۔

پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدہ پر متعین کیا۔ لیکن پیشاب کی بیماری کے سبب دو سال بعد ہی یعنی ۱۹۳۷ء میں آپ کو پینشن دے کر سلسلہ عالیہ کے کاموں سے فارغ کر دیا گیا۔

آپ بیتی ہندوستان

میں صادق بیتی کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی زبان مبارک سے پیش کر رہا ہوں احباب پڑھتے وقت اس کا خاص خیال رکھیں۔ (مرتب)

پہلی دُعا

جب میں بہت چھوٹا تھا اور بھیرہ پرائمری سکول میں پڑھنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے اموختہ یاد نہ ہوا تو اسکول جانے سے پہلے میں نے بارگاہ الٰہی میں خوب گڑگڑا کر دعا کی۔ کہ اے خدا آج اموختہ یاد نہیں ہوا۔ اور مولوی صاحب ناراض ہونگے۔ اس لئے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میری مدد کر۔ دعا مانگ کر میں اسکول پہنچ۔ خدا کا کرنا کچھ ایسا ہوا۔ کہ ماسٹر صاحب کہنے لگے کہ آج تجھ سے اموختہ نہیں سنیں گے۔ آگے سبق پڑھو۔

پہلا خواب

ابھی میں انٹرنس میں ہی پڑھتا تھا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیارہ مشرق میں چمکا اور اوپر کی طرف چلا۔ جتنا آگے پڑھتا گیا۔ اس کی روشنی قدرے بڑھتی گئی اور جب وہ افق پر (سر کے اوپر) پہنچ گیا۔ تو ایک چاند کی شکل اختیار کر لی اور آسمان میں چکر لگانے لگا۔ اس کے چکر وسعت میں بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ اس کا آخری چکر چلا۔ جہاں زمین اور آسمان ملے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی نورالدین ؓ کو لکھ کر بھیج دیا۔ (حضرت مولوی صاحب ؓ اس وقت ریاست جموں میں ملازم تھے) اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب ملا۔ آپؑ نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ آپ کا خط ملا۔ اس میں ایک خواب درج تھا۔ چونکہ میری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں۔ اس لئے اس کی تعبیر انشاء اللہ پھر سوچ کر لکھوں گا۔

دوسرا خط حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کا۔ آپ نے لکھا۔ خواب کسی نبی رسول یا اللہ کے برگزیدہ بندے کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت مولوی صاحب کے خط کو پڑھ کر معاً مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حُسنِ ظَن پیدا ہوا۔ کہ خواب کی تعبیر وہ بھی جانتے تھے۔ وہ لکھ سکتے تھے کہ یہ میری ماموریت کی طرف اشارہ ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس میں ان کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔

یَا بُنَیَّ

جب میں جنرل اکاونٹنٹ آفس لاہور میں ملازم تھا اور محلّہ مزنگ میں رہا کرتا تھا۔ اُنہی دنوں ایک رات مجھے الہام ہوا یَابُنَیَّ (اے میرے بیٹے) جس کی تعبیر میں نے یہ کی کہ جس طرح سینکڑوں لوگ اللہ کے پیارے ہیں ان میں سے ایک میں ہوں۔ کیونکہ عیسائی لٹریچر سے بخوبی واقف ہونے اور عیسائیوں کا رد کرتے رہنے سے یہ جانتا تھا کہ خدا کے بیٹے ہونے سے کیا مراد ہے۔

اس الہام کے بعد میں نے دعا کی کہ اے خداوند تو نے مجھے اپنا بیٹا تو بنا لیا اب کوئی بھائی بھی دے۔☆

اس کے بعد مجھے بتایا گیا۔ ''ایوب بیگ''

مرزا ایوب بیگ صاحب بھی ان دنوں لاہور ہی رہا کرتے تھے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سچے عاشق تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں (۱۹۰۰ء) فوت ہو گئے تھے۔ جب مقبرہ بہشتی بنا تو ان کی ہڈیاں لا کر مقبرہ میں دفن کی گئیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔ کہ مرزا صاحب نے کچھ بڑے بڑے علماء کی دعوت اور مجھے بھی مدعو کیا۔ میں نے بہت سوچا کہ یہ کیسی دعوت ہے۔ مگر کچھ حل نہ ہوا۔ علماء کرام تشریف لائے۔

☆ دیکھیے سوانح حیات مفتی محمد صاحب اپنے والدین کے اکیلے بیٹے تھے ہاں ایک بہن ضرور تھی جو آپ سے دو سال چھوٹی تھی۔

دوران کھانا میں ایک مولانا گویا ہوئے ''مرزا صاحب یہ کیسی دعوت ہے۔'' مرزا فرمانے لگے''۔
''فاتحہ خوانی کی''۔ ☆

مولانا بھونچکے ہوئے حیران ہوئے اور پوچھا کس کی فاتحہ خوانی؟

مرزا صاحب نے جواب میں فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی۔

ترجیح بلا مرجح ہوسکتی ہے

ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ اپنے ایک دوست کے مکان واقعہ کندی گراں لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس ایک جنٹلمین آیا اور کہنے لگا۔ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ کہیئے۔ کہ کیا ترجیح بلا مرجح ہوسکتی ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنی جیب سے دو روپے نکالے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔ ان دونوں روپوں کی تصویریں اور الفاظ برابر تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ان دونوں روپوں میں سے آپ ایک روپیہ اٹھالیں۔

اس ہندو نے روپیہ نہ اٹھایا۔ اور دوسری باتیں شروع کردیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا نے پھر کہا کہ آپ ایک روپیہ اٹھالیں۔ مگر پھر اس نے نہ اٹھایا اور پھر دوسری باتیں شروع کردیں۔ تب مجلس میں سے ایک صاحب نے جن کا نام خلیفہ رجب الدین تھا۔ اس ہندو سے مخاطب ہوئے۔ کہ آپ روپیہ اٹھالیں۔ تا کہ بات آگے چلے اور ہمیں بھی کچھ فائدہ حاصل ہو۔

تب اس جنٹلمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ اگر میں روپیہ اٹھالوں تو مرجاؤں۔ یہ کہہ کر اٹھا اور چلدیا۔

اس نے یہ سوال دراصل تناسخ کے متعلق کیا تھا۔ کہ دنیا میں تمام انسان مختلف حالتوں میں ہیں۔ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب۔ اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ کہ پہلے جنم میں سب لوگوں کے اعمال مختلف تھے اور حالتیں مختلف تھیں۔ اس لئے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہے اور ترجیح بلا مرجح بغیر کسی سبب کے نہیں ہوسکتی۔

حضرت مولانا نے دو روپے اس کے سامنے اس لئے ڈالے تھے۔ کہ ان میں سے اگر وہ

☆ غیر احمدیوں میں رواج ہے کہ فاتحہ خوانی کی دعوت کھلاتے ہیں۔

ایک اٹھالیتا تو آپ اس سے سوال کرتے کہ اس روپے کو اپنے دوسرے روپے پر کیوں ترجیح دی۔
مگر وہ بات سمجھ گیا اور اس نے روپیہ نہیں اٹھایا۔ کہ کہیں بات نہ ماننی پڑ جائے۔ کہ ترجیح بلا مرجح ہوسکتی ہے۔

مہاراجہ الور کو تبلیغ

غالباً ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔ میں شملہ گیا ہوا تھا۔ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا حکم ملا۔ کہ مہاراجہ صاحب الور (جو ان دنوں شملہ میں تھے) کو تبلیغ کی جائے۔

میں نے کچھ انگریزی کتابیں لیں اور مہاراجہ صاحب کی کوٹھی پہنچا۔ پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے ملاقاتی کمرے میں بٹھادیا۔ تھوڑی دیر بعد دیوان عبدالمجید صاحب کپورتھلوی (جو میرے واقف تھے) اور ایک شملہ کے راجہ صاحب تشریف لائے۔ ابھی ان دو اصحاب کو آئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ ایک یورپین صاحب تشریف لائے۔ جن کا آدھا لباس مشرقی اور آدھا مغربی تھا۔

گڈ مارننگ کہہ کر بیٹھ گئے۔ میں ان کی چند باتوں سے سمجھ گیا۔ کہ یہ یورپین ہیں۔ جس میں انہوں نے بتایا تھا۔ کہ میں مہاراجہ الور کا نجومی ہوں۔

دیوان صاحب اور راجہ صاحب نے اپنی زندگی کے متعلق ان سے کچھ سوالات کئے۔ پھر میں نے ایک انگریزی کتاب جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو تھا۔ فوٹو نکال کر ان کے سامنے پیش کردی۔ اور کہاں بتائیے یہ کون ہیں۔ چند لمحے فوٹو دیکھنے کے بعد اس نے کہا کسی نبی کا فوٹو ہے۔ اتنا کہہ کر چہرے پر ایک محققانہ نظر ڈالی اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے بھی نبوت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا آپ کی دونوں باتیں درست ہیں تصویر واقعی نبی کی ہے اور میں چونکہ ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ اس لئے کچھ اثر آپ کو میرے پر بھی معلوم ہوتا ہے۔

اور جب مہاراجہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو میں نے ان کو وہی کتاب دی اور نجومی صاحب کی شہادت پیش کی۔ مہاراجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میرا پہلے ہی سے ایمان ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔

آپ بیتی انگلستان

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں جب کہ جنگ عالمگیر اپنے پورے شباب پر تھی۔ حضور خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجھے حکم دیا۔ کہ تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان جاؤ۔

عورتوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کی حضورؓ سمندری سفر خطرے سے خالی نہیں۔ لوگ گیہوں کی طرح پس رہے ہیں۔ اگر حضرت مفتی صاحب کو ابھی روک لیا جائے۔ تو بہتر ہے۔ اس کے جواب میں حضورؓ نے فرمایا۔ کہ گیہوں چکی میں پسنے کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے بھی کچھ اوپر رہ جاتے جو نہیں پستے۔ تو یہ مفتی صاحب بچے ہوئے گیہوں ہیں پسنے والے نہیں۔

جب ہمارا جہاز بحرہ روم میں داخل ہوا۔ تو جہاز کے کپتان نے جہاز کے تمام مسافروں کو اوپر ڈیک پر بلایا اور ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔ یہ سمندر جس میں ہم داخل ہوئے ہیں۔ جرمن کے سب جہازوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کب ہمارا جہاز ان کے نشانے سے ڈوب جائے۔ اگر ایسا ہوا۔ تو جہاز کے ڈوبنے سے پہلے ایک سیٹی بجے گی۔ چنانچہ کپتان نے سیٹی بجا کر سنائی۔ پھر کہا کہ جب یہ سیٹی بجے تو یہ کشتیاں جو جہاز کے دونوں طرف لٹک رہی ہیں۔ آپ لوگوں کے لئے ہیں۔ پھر اس نے نام بنام کشتیوں کے نمبر بتائے اور سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ ایسے موقعہ پر اپنی اپنی کشتیوں میں بیٹھ جائیں۔ پھر یہ کشتیاں جہاں کہیں آپ لوگوں کو لے جائیں آپ کی قسمت۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔

کپتان کے اس لیکچر کو سننے کے بعد میں اپنے کمرے میں آیا۔ اور اس خطرے سے بچنے کے لئے اللہ کریم سے گڑگڑا کر دعا کی۔ اسی رات میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے کمرے میں کھڑا ہوا ہے اور مجھے انگریزی میں کہتا ہے۔

''صادق یقین کرو یہ جہاز سلامت پہنچے گا''

اس خوشخبری کو پا کر میں نے تمام مسافروں کو اور کپتان کو اطلاع دی اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارا جہاز ساحل انگلستان پر سلامتی سے پہنچ گیا۔ کئی جہاز ہمارے سامنے آگے پیچھے دائیں

بائیں ڈوبے ان جہازوں کی لکڑیاں پانی میں تیرتی ہوئی دیکھیں۔ مگر خداوند تعالیٰ نے ہمارا جہاز سلامت پہنچا دیا۔

مسٹر جان سپرو

لنڈن پہنچے پر ایک انگریز کو تبلیغ کرنے کی توفیق ہوئی۔ جس کا انگریزی نام مسٹر جان سپرو تھا۔ اور وہ ہماری تبلیغ سے مسلمان ہوا۔ اور بیعت کا خط حضور ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں بھیج دیا گیا۔

انگریزی میں سپرو چڑیا کو کہتے ہیں۔ سپرو کے مسلمان ہونے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ رؤیاء ظاہری لفظوں میں بھی پوری ہوئی۔ جس میں حضورؑ نے دیکھا تھا۔ کہ آپ سفید پرندوں کا شکار کر رہے ہیں۔

قربانی بزنس کے نام پر

ایک بار میں نے ایک انگریز سے سوال کیا کہ ہم لوگ اور یہودی تو خدا کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں۔

بت پرست بتوں کے نام پر۔ تم کس کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ اس پر انگریز مسکرایا اور کہنے لگا۔ بزنس کے نام پر قربانی۔

مِسٹر چرچل نے کہا

اخبار میں شائع شدہ خبر کو پڑھ کر میں اس ہال میں پہنچا۔ جہاں مسٹر چرچل (سابق وزیر اعظم برطانیہ) کا لیکچر ہونے والا تھا۔

جب میں ہال کے دروازہ پر پہنچا۔ تو گیٹ کیپر نے مجھ سے ٹکٹ مانگا میں نے اس سے کہا کہ ٹکٹ تو میرے پاس نہیں ہے اور نہ مجھے علم ہی تھا۔ کہ ٹکٹ ہوگا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد گیٹ کیپر نے کہا۔ میں آپ کو اندر جانے کی اجازت تو دے دیتا ہوں مگر اندر تمام نشستیں پُر ہو چکی ہیں۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اندر چلا گیا۔ ہال میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی

واقعی کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ لیکن ابھی لیکچرار نہ آیا تھا اور اسٹیج کی تمام کرسیاں خالی پڑیں تھیں۔ میں اسٹیج پر جا پہنچا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اسٹیج کا ناظم آ پہنچا اور وہی سوال کیا۔ جو گیٹ کیپر نے کیا تھا۔ میں نے اس کو بھی یہی جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں۔ اس نے بھی تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔ کہ اچھا سرویہ کا سفیر نہیں آ رہا ہے۔ آپ اس کی جگہ بیٹھ جائیں۔ چنانچہ میں سفیروں کی کرسیوں کی لائن میں سرویہ کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جاپان کا سفیر میرے دائیں طرف تھا اور غالباً یونان کا سفیر بائیں جانب۔

چند لمحے گزرنے پر چرچل اور اس کے ساتھی آئے۔ چرچل نے لیکچر شروع کیا۔ میں چرچل کے ٹھیک پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

مسٹر چرچل نے اثنائے تقریر میں کہا۔ کہ جرمنوں کے مظالم کے خلاف تمام ملکوں کے دل ایک مرکز پر جمع ہو گئے ہیں۔ برطانیہ کا دل، امریکہ کا دل، فرانس کا دل، یونان کا دل، آسٹریلیا کا دل اسی طرح گنتا چلا گیا۔ مگر ہندوستان کا نام نہ لیا۔ یہ دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا۔ اور قبل اس کے وہ آگے کچھ کہے۔ چلا کر کہا۔

The heart of India as will sir

دی ہرٹ آف انڈیا ایذ ول سر

جناب ہندوستان کا دل بھی اس میں شامل ہے۔ تب چرچل نے میری طرف غور سے دیکھا اور پھر کہا بیشک ہندوستان کا دل بھی اس میں شامل ہے۔ آپ کا شکریہ۔ اس پر تمام حاضرین نے خوشی کے نعرے لگائے اور تالیاں بجائیں۔

وہ شخص ہمارے پاس آیا اور رونے لگا

ایک مسلمان طالبعلم جو غالباً بہار کا رہنے والا صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ گھر والوں کی منشاء کے مطابق یہودیوں کا ذبیحہ بازار سے لاتا اور عیسائی عورت سے الگ ہانڈی میں پکواتا۔ صرف اس لئے کہ وہ اس کا کرایہ دار تھا۔

یہودیوں کے ہاں سے گوشت اس لئے لاتا تھا کہ عیسائی خدا کے نام پر جانور ذبح نہیں کرتے۔

اتفاق کی بات ہے ایک دن وہ کسی ضرورت سے باورچی خانہ میں چلا گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ہانڈیاں چڑھی ہوئی ہیں (جس میں ایک اس کی بھی تھی) اور باقی انگریزوں کی۔ عورت کے ہاتھ میں ایک چمچہ ہے۔ جس کو وہ یکے بعد دیگرے تینوں ہانڈیوں میں پھراتی ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے اس عورت سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہی ہو۔ جو چمچہ سور کے گوشت والا ہے۔ وہ تم میری ہانڈی میں بھی استعمال کر رہی ہو۔ حالانکہ یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ یہ سن کر عورت نے کہا اس میں میری کونسی خطا ہے۔ آپ نے ہدایت کی تھی۔ کہ میرا گوشت ایک ہانڈی میں پکے۔ سو میں ایک ہانڈی میں پکاتی رہی۔ اگر آپ یہ بھی کہہ دیتے کہ چمچہ بھی ایک ہو تو میں ایسا کیوں کرتی وہ شخص ہمارے پاس آیا اور رونے لگا۔ اس لیڈی نے مجھے سور کھلا دیا۔

ہم نے اسے تشفی دی کہ اس میں آپ کا کچھ قصور نہیں غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے حکم کے ماتحت آپ بری ہیں۔

ایک برابر تین کے اور تین برابر ایک

لنڈن میں عیسائیوں کا ایک کتب خانہ تھا۔ جس پر لکھا تھا۔ تثلیثی کتب خانہ۔ میں نے اس کے اندر جا کر کتب فروش سے سوال کیا۔ کہ تثلیثی کتب خانے سے کیا مراد ہے۔ اس نے عیسائی پادریوں کی طرح ایک لمبی تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ خدا تین ہیں۔ باپ بیٹا اور روح القدس مگر تین ایک ہیں اور ایک تین۔

میں نے اس سے بحث شروع کی کہ بات علمِ ریاضی کے بالکل خلاف ہے۔ مگر وہ اپنی بات سے نہ ہٹا۔ تب میں نے ایک کتاب اٹھائی اور کہا کہ میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت تین شلنگ ہے۔ میں نے اس کے سامنے ایک شلنگ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اس نے کہا کہ دو شلنگ اور دیجئے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ کوئی حرج نہیں ایک تین اور تین ایک۔ کتب فروش مسکرایا اور بولا جناب مذہب کی بات اور ہے اور کاروباری بات اور۔

وہ نائی تھا!

جب میں ولائت جانے کے لئے جہاز پر سوار ہوا۔ تو ایک دن ہمارے کمرے میں ایک انگریز ہاتھ میں ایک جگ لئے ہوئے داخل ہوا اور کہنے لگا کہ میں حجام ہوں۔ میں نے کہا کہ اچھا میری حجامت بناؤ اور جب وہ استرا لے کر کام کرنے لگا۔ تو میں نے کہا کہ میری بغلیں بھی بناؤ۔ وہ کہنے لگا کہ میں یہ کام کرنا نہیں جانتا اور نہ ہمارے ہاں کوئی انگریز بغلیں بنواتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں ایسا کرنے لگوں تو آپ کی بغلوں میں زخم کر دوں گا۔ اس لئے میں آپ کو ایک پوڈر لا دوں گا۔ اس کے ذریعے آپ اپنی بغلیں خود صاف کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ باقی حجامت بنا چکا۔ تو میں نے اپنے ناخن اس کے سامنے کئے اور کہا انہیں بھی کاٹ دو۔ اس پر بھی اس نے یہی جواب دیا۔ کہ ہمارے ہاں کوئی انگریز ناخن نہیں کٹواتا۔ ناخن کاٹنے کا ایک اوزار ہوتا ہے۔ آپ اسے خرید کر رکھ لیں اور اپنے ہاتھ سے اپنے ناخن کاٹ لیا کریں۔

حجام کی ان باتوں سے میں نے خیال کیا کہ شاید جہاز کا حجام ہے اس لئے یہ ایسا ہے۔ مگر لنڈن پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ تمام حجام ایسے ہی ہیں۔ پھر میں نے بغلیں بنانے والا پوڈر اور ناخنوں کو کاٹنے والا اوزار خریدا خود اپنی بغلیں بناتا اور ناخون کاٹتا۔

★ آپ بیتی امریکہ

ایک خط

حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں

میرے امریکہ پہنچنے کی خبر امریکہ کے متعدد اخباروں میں شائع ہوئی۔ چند دن بعد مجھے ایک خط ملا جو سینٹ لوئس شہر سے ایک لیڈی کی طرف سے تھا۔ جس میں لکھا تھا۔ ”میں جب بھی مشکلات میں مبتلا ہوتی ہوں تو بارگاہ الٰہی میں دعا کرتی ہوں“۔ جس کے نتیجے میں مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیتا ہے۔ جس کا لباس ایشیائی ہے اور جس کی بتائی ہوئی راہیں

میرے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں۔ میں خواب دیکھنے والی رات کی ہر صبح یہ ارادہ کر لیتی ہوں۔ کہ اب کے بار اپنے محسن کا نام ضرور پوچھوں گی۔ مگر عین وقت پر بھول جاتی ہوں۔ یا یہ کہا جائے کہ ہوش کھو بیٹھتی ہوں۔

چونکہ وہ شخص بھی ہندوستانی ہی معلوم ہوتا ہے اور آپ بھی ہندوستان سے ہی آئے ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ اس بارے میں میری کچھ مدد کریں۔ خط دیکھ کر میرے دل میں تین خیال پیدا ہوئے کہ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسیہ ہے۔ دوم اس زمانہ کے مالکِ روحانیت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت ہے۔ یا میں چونکہ اس ملک میں تبلیغ کئے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں ہی ہوں۔ غرض میں نے اسے تین فوٹو بھیجے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور اپنا۔

جواب میں مجھے دو فوٹو واپس کر دیئے گئے اور ایک جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔ ان الفاظ کے ساتھ رکھ لیا گیا۔ ”آپ کا شکریہ مجھے میرا محسن مل گیا ہے۔ یہی فوٹو اس کے اسلام قبول کرنے کا باعث ہوا۔

امریکہ میں دعوت

امریکہ کے ایک مشہور شہر ڈیٹ رائٹ میں میرا لیکچر ہوا۔ لیکچر کے بعد مجھے ایک شخص ملا۔ جس نے بتایا کہ میں بھی ہندوستانی ہوں۔ ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہوں۔ میں نے گورنمنٹ کے خلاف تقریر کی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے جیل بند کر دیا گیا تھا۔ مگر ریاست کا جیل خانہ چنداں مضبوط نہ تھا۔ میں وہاں سے نکل بھاگا۔ افغانستان پہنچا وہاں مسلمان ہو گیا۔ پھر ایران آیا اور ایران سے ترکی اور پھر امریکہ۔ یہاں میں ایک کارخانہ میں ملازم ہوں۔ انگریزی لیڈی سے شادی بھی کر لی ہے۔ اللہ کا فضل ہے۔ زندگی بڑی اچھی گزرتی ہے۔ یہ تمام باتیں کرنے کے بعد کہنے لگا۔ چونکہ میں بھی ہندوستانی آپ بھی ہندوستانی اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ کل آپ میرے گھر کھانا کھائیں۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ دوسرے دن حسب وعدہ وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گیا۔ دعوت میں اس نے کچھ اور معززین شہر بھی بلائے ہوئے تھے۔ جو وہاں پہلے سے موجود تھے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد مجھے فرمائش کی گئی کہ میں کوئی لیکچر دوں چنانچہ میں نے لیکچر دیا۔ کچھ اسلام کی خوبیاں بیان کی۔ پھر حضرت مسیح موعو علیہ السلام کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ ان کے دعوے سمجھائے۔

تقریر ختم ہونے پر اس شخص کی بیوی میرے پاس آ گئی اور کہنے لگی۔ آپ بار بار ''احمد'' ہندوستانی نبی کا نام لیتے تھے۔ میں نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چند دن پہلے ہمارا ایک دوست میرے شوہر سے پوچھنے لگا۔ کہ ''احمد'' نام کا کوئی نبی ہندوستان میں ہوا ہے۔ میرے شوہر نے کہا نہیں۔ اس جواب کو سن کر اس کا چہرہ مرجھا سا گیا اور وہ مایوس ہو گیا تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کو بلالوں۔ میں نے کہا خوشی سے بلائیے۔ اس نے فون کیا اس شخص کے گھر میں اپنا ٹیلیفون اور اپنی موٹر کار تھی۔ وہ شخص گھبرایا ہوا جلد اپنی کار میں آیا اور میرے پاس بیٹھ کر اپنی ڈائری میرے سامنے کر دی۔ جس پر لکھا تھا:-

Prophet Ahmad India--------

میں نے اس شخص سے کہا۔ کہ اس سے آپ کا کیا مطلب ہے پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ آئے ہیں۔ جو میری رہنمائی کر رہے ہیں۔ مجھے بتا رہے ہیں۔ دیکھو یہ راستہ چلو یہ نہ چلو۔ اس سے تمہیں فائدہ ہوگا اور اس سے تمہیں نقصان۔ جب فرما چکے تو میں نے ان کا نام پوچھا تب انہوں نے کہا تھا۔ میں نبی احمد ہوں۔ ہندوستان سے آیا ہوں۔ پھر وہ شخص کہنے لگا وہ چہرہ میں ابھی تک نہیں بھولا۔ اسے بھی میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو دکھایا جسے دیکھ کر وہ بے اختیار بول اٹھا۔ ہاں ہاں یہی۔

اور پھر یہی تصویر اس کے لئے اسلام قبول کرنے کا باعث ہوئی تھی۔

ایک بوڑھی عورت

ایک دفعہ میں امریکہ کے مشہور شہر شکاگو کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ کہ ایک چھوٹا بچہ آیا اور کہا کہ آپ کو میری ماں بلاتی ہے۔ میں بچے کے ساتھ ان کے گھر پہنچا۔ جہاں ایک

بوڑھی عورت نے استقبال کیا۔ خاطر و مدارات کے بعد اس نے کہا۔ کہ میں ابھی چھوٹی عمر میں تھی۔ کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تحقیقات کروں کہ دنیا میں سب سے زیادہ سچا مذہب کونسا ہے۔ سو اس خیال سے کئی ایک مذاہب میں داخل ہوئی اور دعائیں کرتی رہی۔ مگر کہیں سے میری تشفی نہ ہوئی یہاں تک کہ میری شادی ہوئی۔ بچے ہوئے پوتے ہوئے۔ مگر میری اس دُعا کی قبولیت مجھے نصیب نہ ہوئی۔ آج سے دو سال قبل ایک رات میں اسی آرام کرسی پر لیٹی ہوئی اس خیال میں رونے لگی۔ کہ میں نے عمر بھر خدا تعالیٰ سے ایک دعا کی وہ بھی قبول نہ ہوئی اور میں غم میں روتے روتے سوگئی۔ تب خواب میں ایک فرشتہ دیکھا۔ اس نے کہا بیگم غم نہ کرو۔ تمھاری دعا سنی گئی۔ ادھر دیکھو وہ کون جا رہا ہے۔ جب میں نے کھڑکی سے اس طرف نگاہ کی تو مجھے ایک مشرقی شخص دکھائی دیا۔ پھر اس فرشتے نے کہا۔ کہ یہ شخص یہاں یعنی امریکہ میں آ رہا ہے۔ جو مذہب وہ لائے گا وہ سچا ہے۔ تم اس کو قبول کرو۔

میں اس خواب کے بعد کئی دن تک اس کھڑکی سے ہر آنیوالے کو دیکھتی رہی۔ آخر مجبور ہو کر نا امیدی کو پاس بلالیا۔ آج اتفاق سے میں پھر کسی بغیر ارادے کے یہاں بیٹھی تھی اور آپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ میری آنکھوں میں وہ خواب پھر گیا۔ میں پہچان گئی کہ جو شخص خواب میں دکھا گیا وہ آپ ہیں۔ پھر اس نے اسلام قبول کیا۔

جہاز پر ایک عرب سے ملاقات

جب میں امریکہ سے واپس آ رہا تھا تو عدن اور بمبئی کے درمیان جہاز کے مسافروں نے ایک جلسہ کیا۔ جس میں انہوں نے دلچسپی کے ہر سامان کو مہیا کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے گانا گایا کسی نے باجا بجایا۔ اس پارٹی کے سیکرٹری کو کسی نے میرے بارے میں بتا دیا وہ سیکرٹری میرے پاس آیا اور مجھ سے لیکچر دینے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم تو مذہبی لیکچر دیتے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ کوئی مذائقہ نہیں۔ چنانچہ میرا بھی لیکچر ہوا۔ لیکچر ختم کر کے جب میں اس پنڈال سے باہر نکلا۔ تو عرب صاحب جو عدن سے جہاز پر فسٹ کلاس میں سوار ہوئے تھے۔ مجھے بڑے تپاک سے ملے اور مصافحہ کیا۔ میں ان کے ساتھ ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ جو جہاز کے ڈیک پر بچھا ہوا تھا۔ یہ عرب صاحب جدہ کے مشہور تاجر

تھے۔ ابوبکر نام تھا۔ ابوبکر صاحب فرمانے لگے۔ آپ نے بڑا اچھا لیکچر دیا۔ جب میں نے ان سے سوال کیا۔ کہ آپ انگریزی جانتے ہیں۔ تو کہنے لگے کہ انگریزی تو نہیں جانتا۔ مگر محمدؐ اور احمدؐ کے نام جو آپ نے لئے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ بار بار اس لہجہ میں محمدؐ اور احمدؐ کہتے تھے۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا۔ کہ آپ خوب تعریف کر رہے ہیں اور اسلام کی فضیلت ظاہر کر رہے ہیں۔ دوران گفتگو میں انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ میں قادیانی ہوں۔ مگر انہوں نے کسی طرح یقین نہ کیا۔ برابر کہتے رہے۔ ایسا اچھا مقرر قادیانی نہیں ہو سکتا اور جب انہوں نے دیکھا کہ میں مذاق نہیں کر رہا۔ بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ تو گفتگو کا رخ بدل دیا اور پوچھا آپ حج کر چکے ہیں۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ تو فرمانے لگے آپ حج کرنے ضرور آئیے۔ ہم آپ کا شروع سے لیکر آخر تک تمام خرچ اٹھائیں گے۔ ابوبکر صاحب نے یہ بھی ذکر کیا۔ کہ جب خواجہ کمال الدین صاحب مکہ آئے تھے۔ تو انہوں نے اعلان کیا تھا۔ کہ میں قادیانی نہیں ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ایک عرب عبدالحی نامی تھا۔ جو ہمارے ساتھ بحث کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گیا اور قادیانی ہی مسیح موعود ہے۔

جب میں امریکہ روانہ ہوا تو لوگوں کا خیال تھا کہ میں دو سال بعد واپس جاؤں گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور مجھے سات سال لگ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ کہ مفتی صاحب کو یہیں رکھا جائے۔ کہیں باہر نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بلا لیا اور پھر کبھی سمندر پار نہیں بھیجا۔

یہ جادوگر ہے!

امریکہ پہنچ کر میں نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ جس کی مالکہ ایک لیڈی تھی۔ ایک دن میں اس مکان میں نماز پڑھ رہا تھا۔ کسی شخص نے مجھے نماز پڑھتے دروازوں کے شیشوں سے دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد وہ گھبرایا ہوا لیڈی کے مکان پر پہنچا اور اس سے کہا یہ کوئی جادوگر ہے۔ اس کو ابھی مکان سے نکال دو۔ نہیں تو یہ مکان ابھی ابھی اڑ جائے گا اور تمہارا بہت نقصان ہو گا۔ وہ حواس باختہ معہ اس آدمی کے میرے گھر گھس آئی اس نے بھی

مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور گھبرا گئی کہنے لگی۔ ہمارا مکان خالی کر دو تم کیا جادو کر رہے ہو۔ جب میں نماز پڑھ چکا۔ تب اس سے کہا ہم خدا کی عبادت کر رہے تھے۔ مگر اس نے ایک نہ سنی برابر یہی کہتی گئی کہ میرا مکان خالی کر دو۔ مجبوراً مجھے مکان خالی کرنا پڑا۔

امریکہ جاؤ

میں لنڈن میں تھا کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک حکم ملا۔ کہ فوراً امریکہ چلے جاؤ۔ میں تیار ہو گیا۔ اس وقت مجھے کچھ بیماری تھی اور وہ بیماری جس کے لئے امریکہ گورنمنٹ امریکہ کا حکم تھا کہ اس بیماری والے کو امریکہ میں نہ داخل ہونے دیا جائے۔ ہمارا جہاز لنڈن سے امریکہ روانہ ہوا۔ میں نے خدا کے حضور دعا کی کہ میری کامیابی اور مشکلات کا حل تیرے پاس ہے میری مدد کر۔ اسی رات میں نے ایک خواب دیکھا۔ کہ میں امریکہ کے ایک بہت بڑے ہال میں تقریر کر رہا ہوں۔ جب میں تقریر ختم کر چکا تو سب چلے گئے۔ مگر ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس دریافت کیا آپ نہیں جاتیں۔ اس نے کہا میں اسلام سے مشرف ہونا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اور اس کا نام مصطفٰی فاطمہ رکھا۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو مصطفٰی فاطمہ کے نام پر مجھے بہت تعجب ہوا۔ کہ میں نے ابھی تک ایسا نام سنا ہی نہ تھا جس کے ساتھ ساتھ مجھے کچھ تسکین بھی ہوئی۔

جب ہمارا جہاز بندرگاہ پر پہنچا تو مجھے ڈاکٹری معائنہ کے لئے بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر نے مجھے بہت غور سے دیکھا اور کہنے لگا یہ پگڑی تو آپ کی بہت بہترین ہے۔ میں نے پگڑی اتار کر میز پر رکھ دی۔ اس نے پگڑی ہاتھ میں اٹھا کر خوب دیکھی بھالی اور تمام تعریفیں کیں۔ پھر مجھے واپس کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا یہ آپ لے لیجئے۔ اس نے کہا آپ کیا پہنیں گے میں نے سوٹ کیس سے دوسری پگڑی نکال کر پہن لی اور اس سے کہا میرے پاس اور بھی موجود ہے۔ یہ آپ کو پسند ہے اس لئے لے لیجئے اس نے پگڑی لے کر مجھ سے کہا۔ آپ بھی معائنہ کے لئے آئے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا جی ہاں اس نے کہا آپ تو تندرست ہیں آپ کا کیا معائنہ کیا جائے۔ اس طرح میں وہاں سے آیا۔ پھر میں اس آفس میں پہنچا جہاں امریکہ کے اندر داخل ہونے کی اجازت ملتی تھی۔ وہاں مجھ سے کہا۔ تم جس جہاز پر آئے ہو۔

اسی پر واپس جاؤ۔ مگر میں نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔

مجھے فاطمہ مصطفٰے کو مسلمان کرنا ہے۔ اس بات پر وہ لوگ خوب ہنسے اور مجھے ایسے مقام پر نظر بند کر دیا۔ جہاں اور لوگ بھی تھے۔ جن کو اجازت نہیں دی گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں میں بھی تبلیغ شروع کر دی اور کئی ایک کو مسلمان بنا لیا۔ یہ خبر وہاں کے داروغہ کو بھی پہنچ گئی۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں تو اسی کام کے لئے ہندوستان سے امریکہ تمام روپیہ خرچ کر کے بھیجا گیا ہوں۔ کہ قصرِ عیسائیت کو نقصان پہنچاؤں۔ اس پر داروغہ گھبرایا اور کہنے لگا کہ مجھے نوکری سے الگ کر دیا جائے گا۔ مگر میں نے پھر اس سے یہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ آخر عاجز آکر اس نے مجھے وہاں سے نکال دیا۔

میں نے اس کا نام فاطمہ مصطفٰے رکھا

جب میں امریکہ میں تھا وہاں میں نے ایک ہال کرایہ پر لیا۔ اشتہار تقسیم کئے۔ ہال کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے تقریر کی لوگوں نے تقریر خوب غور سے سنی۔ تقریر ختم ہوئی لوگ چلے گئے۔ مگر ایک لڑکی کھڑی تھی۔ مجھے جہاز پر دیکھے ہوئے مناظر یاد آ گئے۔ میں نے اسے کہا آپ کیوں کھڑی ہیں۔ تمام لوگ تو چلے گئے۔ اس نے کہا میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں مجھے بڑی خوشی ہوئی میں نے اس کو مسلمان بنا لیا اور اس کا نام فاطمہ مصطفٰے رکھا۔ جو خواب میں دیکھا تھا۔

عبرانی کیسے سیکھی!

عرصہ ملازمت لاہور میں تقریباً ہر اتوار کو قادیان آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک کتاب تیار کر رہے تھے۔ جس میں آپ ثابت کر رہے تھے کہ عربی زبان ام السنہ اور مکہ معظمہ ام القریٰ ہے۔ تمام زبانیں ثابت کر چکے تھے صرف عبرانی باقی رہتی تھی۔

حضور نے مجھے فرمایا کہ آپ عبرانی زبان پڑھیں۔ تا کہ میں اس کتاب کو ختم کر سکوں۔

حضور کا حکم سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ کہ خدا نے خدمت کا موقعہ دیا۔ جب میں لاہور واپس گیا۔ تو عبرانی دان کی تلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ ملا۔ بمشکل تمام مجھے یہ معلوم ہوا۔ کہ یہاں انارکلی کی سرائے کے سامنے ایک یہودن طوائف جو شاید عبرانی جانتی ہو۔ مگر میں نے اس طوائف کے گھر جانا پسند نہ کیا۔ قادیان آنے پر پہلے حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ مفتی صاحب! کوئی یہودی ملا؟

میں نے عرض کی کہ تلاش تو بہت کی مگر ایک یہودی طوائف کے علاوہ اور کسی کا پتہ نہ چلا اور طوائف کے ہاں جانا مجھے گوارہ نہ ہوا۔

حضرت مولانا فرمانے لگے۔ آپ کو جانا تھا آپ کوئی بُری نیت سے تھوڑا گئے تھے۔

یہی باتیں کرتے ہوئے ہم حضورؑ کے ہاں پہنچے۔

حضرت مولاناؓ نے حضورؑ سے کہا۔ کہ مفتی صاحب کو کسی یہودی کا پتہ چلا تو نہیں۔ ایک یہودن طوائف کا پتہ چلا ہے۔ مگر حضرت مفتی صاحب اس کے ہاں نہیں جاتے۔

حضور نے بھی فرمایا آپ جائیں کوئی حرج نہیں۔

لاہور آکر میں اس یہودن طوائف کے یہاں پہنچا۔ جس کا نام تفاحہ (سیب) تھا اور جو بغداد کی رہنے والی تھی۔ عربی میں گفتگو کرتی تھی۔ میں نے جب اس سے اپنا مطلب ظاہر کیا تو کہنے لگی کہ میں عبرانی نہیں جانتی۔ اگر جانتی ہوتی تو ضرور آپ کی خدمت کرتی۔ ہاں عنقریب میرا ایک عزیز یہاں آنے والا ہے جو اچھی طرح عبرانی زبان سے واقف ہے۔ آپ مجھے اپنا ایڈریس دے جائیں اس کے آنے پر آپ کو اطلاع کر دوں گی۔

چند دن بعد وہ شخص آ گیا۔ میں اس کے جائے قیام پر پہنچا اور ملاقات کی۔ اس نے اپنا نام سلمان بتایا اور وعدہ کیا کہ میں آپ کو عبرانی پڑھا دوں گا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مَیں نے عبرانی میں مہارت حاصل کر لی اور اسے تبلیغ شروع کر دی۔ وہ میرے ساتھ قادیان آ گیا اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ عبرانی کے الفاظ حضور کی خدمت میں عرض کئے حضور نے اسے بھی ثابت کیا۔ کہ یہ زبان بھی عربی سے نکلی ہے۔

مذہبی کانفرنس

۱۹۱۰ء یا اس کے قریب امریکہ شہر شکاگو میں ایک مذہبی کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں تمام مذاہب کے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں مسلمانوں کی طرف سے مسٹر محمد الیگزنڈر دیب نے ایک مضمون پڑھا تھا۔ جس میں اسلام کی خوبیاں بیان کی گئی تھیں۔ یہ صاحب نومسلم تھے۔ ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی۔ جو افسوس کہ مسلمان نہ ہوئی اور ''دیب'' صاحب ۱۹۱۸ء میں فوت ہوگئے اور ان کے پیچھے ان کے کام کو کسی نے جاری نہ رکھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی شخص کو اسلام کی طرف دیکھتے تو اسے میرا ایڈریس دے دیتے اور کہتے کہ اس شخص کے ساتھ خط و کتابت کرو۔ اس ذریعہ سے کئی ایک عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔

جب میں امریکہ تبلیغ کے لئے پہنچا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ اس سارے امریکہ میں کوئی اسلامی مسجد نہ تھی۔ یہ پہلا اسلامی مشن تھا جس کو میں نے قائم کیا اور ان کے بعد مولوی دین صاحب ایم۔اے اور یوسف خاں صاحب اور مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی نے جاری رکھا۔ میں نے ایک مسجد شہر ڈیٹ رائٹ میں بنوائی جس کے لئے امریکہ کے عربوں سے چندہ کیا گیا تھا اور دوسری مسجد شکاگو میں بنوائی۔